تالیف
مولانا محمد روح اللہ نقشبندی
عہد رسالت ﷺ کے
محدثین کرام
BestUrduBooks.wordpress.com
دار الاشاعت
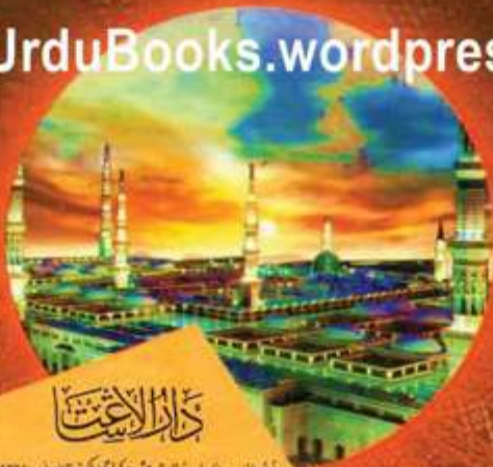
حضرت معاذ بن جبلؓ، ابی بن کعبؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، ابوالدرداءؓ، حضرت علیؓ، زید بن ثابتؓ، ابوموسیٰ اشعریؓ، عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن عمرؓ، جابر بن عبداللہ انصاریؓ، ابو ذر غفاریؓ، ابو ہریرہؓ اور عہدِ رسالت کے دیگر نابغۂ روزگار محدثین کرامؓ کا تذکرہ۔

تالیف
مولانا محمد روح اللہ نقشبندی

دارالاشاعت
اردو بازار ایم اے جناح روڈ
کراچی پاکستان ۲۲۱۳۷۶۸

فہرست مضامین

عنوانات | صفحہ نمبر

دوسرا باب

تیسرا باب

☆☆☆☆☆

تقریظ

فضیلۃ الشیخ حضرت مولانا قاضی عبداللطیف صاحب کلاچوی دامت برکاتہم العالیہ

فاضل دارالعلوم دیوبند

شاگرد رشید: شیخ الاسلام والمسلمین حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

گرامی قدر حضرت مولانا محمد روح اللہ صاحب نقشبندی غفوری زاد فیوضکم ومن علیکم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

مزاج گرامی! ایمان افروز چار کتب کا عظیم ہدیہ باعث اعزاز و اعتبائی سرور اور خوشی کا باعث ہوا، بارک اللہ فی علمک و مساعیک

تقریباً ڈیڑھ دو برس سے صحت کی دولت کے لئے ترس رہا ہوں، دعاؤں کا محتاج ہوں آپ کے مبارک عزم اور علمی مشاغل باعث صد رشک ہیں۔

اللھم زد فزد

عہد نبوی ﷺ کے مفسرین کرام، عہد نبوی ﷺ کے محدثین کرام عہد نبوی ﷺ کے فقہائے کرام، نیز ولی وقت مولانا زکریا کے بے مثال جواہرات کی تالیفات کی توفیق انعام خداوندی کا خصوصی انعام ہے ہدیہ تبریک قبول کیجئے۔

این سعادت بزور بازو نیست

عبداللطیف کلاچوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ابتدائی باتیں

نبوت اور حدیث کی تاریخ

حدیث کی تاریخ اتنی ہی پرانی ہے جتنی بعثت انبیاء کی تاریخ۔۔۔ امتوں کو حدیث کے ذریعہ ہی آسمانی کتاب ملتی رہی اور اس امت کو بھی آنحضرت ﷺ کے واسطے سے قرآن ملا۔ قرآن اور حدیث جمع ہوئے۔ تو اسلام کے اس دور آخر کا آغاز ہو گیا۔
آنحضرت ﷺ پر پہلی وحی (اقرا باسم ربک الذی خلق۔ پ ۳۰) غار حرا میں آئی۔ تو آپ نے اس کی خبر ام المؤمنین حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا اور ورقہ بن نوفل کو دی۔ یہ حدیث کا آغاز تھا۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ (۲۵۶ھ) نے صحیح بخاری کا آغاز اسی باب سے کیا ہے۔

کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ ﷺ

ترجمہ: حضور ﷺ پر وحی کا آغاز کیسے ہوا۔

یہ وحی کا پہلا دن تھا اور یہی حدیث کا پہلا دن تھا۔ سو یہ بات بالکل صحیح اور تاریخی ہے کہ حدیث اور بعثت کی تاریخ ایک ہے۔ ایک ساتھ دونوں شروع ہوئیں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس پر تنبیہ فرمائی کہ جو بعثت کی تاریخ ہے وہی حدیث کا نقطہ آغاز ہے۔ آنحضرت ﷺ کے عہد میں اسلام کی جو تشکیل ہوئی اس کے آثار حدیث کا سرمایہ ہیں۔ یہ آثار روایت میں ہوں یا عمل میں یا آپ کے اصحاب کرام کی فکر و ادا میں ہر پہلو سے ان کا مبدء و تاریخ ایک ہے اور یہ بات پورے وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ حدیث کا آغاز کسی اندھیرے میں نہیں ہوا۔ اس کے ہر پہلو میں تسلسل اور اتصال قائم ہے۔ روایت میں سند سے تسلسل پیدا ہوتا ہے اور امت میں تعامل سے سند چلتی ہے اور یہی علم الآثار ہے۔

آنحضرت ﷺ کی تعلیمات کے آثار

حضور اکرم ﷺ کے آثار ہدایت جب الفاظ میں...... اعمال میں...... اور انسانی افراد میں ڈھلتے ہیں تو حدیث ...... سنت...... اور عمل صحابہ کہلاتے ہیں، حدیث کا آغاز وحی کے ساتھ ہوا۔ سنت وحی سے قانون بنی اور صحابہ حدیث نبوی سے مقتدا ٹھہرے اور انہوں نے حضور ﷺ سے ہی تعلیم و تزکیہ کی دولت پائی۔ حضور ﷺ کا علم الآثار ان تینوں وسائط سے قائم ہوا۔ آج دین اسلام انہی آثار کا نام ہے۔ جو قرآن و حدیث اور عمل صحابہ کے نام سے امت میں سند سمجھا جاتا ہے۔

فرائض رسالت کا قرآنی فیصلہ

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی ذمہ داریاں بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"یتلوا علیھم ایاتہ و یزکیھم و یعلمھم الکتاب والحکمۃ" (آل عمران، ع ۱۷)

آپ ان پر اس کی آیتیں پڑھیں انہیں پاک کریں اور انہیں کتاب و حکمت سکھا دیں

یہ حضور ﷺ کی تین اہم ذمہ داریوں کا بیان ہے:

۱۔ یتلوا علیھم ایاتہ سے مراد حضور ﷺ کا امت تک قرآن پہنچانا ہے۔

۲۔ ویزکیھم سے مراد تزکیہ و تربیت سے ایک مثالی جماعت تیار کرنا ہے۔

۳۔ یعلمھم الکتاب والحکمۃ سے مراد قرآن کریم کی روشنی میں حدیث اور سنت کی تعلیم دینا ہے۔ یہ آپ کا علم الآثار ہے۔ آپ کی تعلیمات قدسیہ افراد میں اگر کہیں نظر آئیں تو وہ صحابہ کرام ہیں اور اعمال میں ملیں تو وہ احادیث و آثار ہیں۔

حدیث کی زبانی روایت

علم حدیث زندہ انسانوں سے زندہ انسانوں تک منتقل ہوا۔ آنحضرت ﷺ

نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر تاریخی خطبہ دیا اور بہت سے احکام ارشاد فرمائے۔ امت کو ایک دستورِ زندگی دیا۔

فلیبلغ الشاھد الغائب ...... (صحیح مسلم ج۲ص۶۰)

جو حاضر ہے وہ اسے غائب تک پہنچا دے۔

اس میں آنحضرت ﷺ نے متنبہ فرمایا کہ آپ کی یہ حدیث آج صرف اسی اجتماع کے لیے نہیں یہ کل انسانوں کے لیے راہ ہدایت ہے جو آج موجود ہیں۔ اور سن رہے ہیں وہ ان باتوں کو دوسروں تک پہنچا دیں۔ سو ان احکام کی تبلیغ صرف میدان عرفات کے حاضرین اور غائبین تک محدود نہ رہی۔ بلکہ ہر مجلس علم کا شاہد اسے اس مجلس کے غائب تک پہنچانے کا ذمہ دار ٹھہرا۔ حجۃ الوداع کا یہ خطبہ آخری الٰہی رہنما کا آخری دینی چارٹر تھا اور اس کا آخری پیغام روایت حدیث کی ہی تاکید تھی۔ سلسلہ روایت کو آگے جاری رکھنا یہ اسلامی زندگی کا منشور ٹھہرا چنانچہ یہ سلسلہ پوری محنت وخلوص اور شوق ومحبت سے جاری رہا اور حدیث اپنی تاریخ میں ہمیشہ زندہ انسانوں میں روایت ہوتی رہی۔ اور زندہ انسانوں سے زندہ انسانوں تک منتقل ہوتی رہی۔ یہ صحیح ہے کہ محدثین اپنی یادداشت کے لیے تحریرات سے بھی مدد لیتے تھے۔ لیکن حدیث پھر بھی صیغۂ تحدیث سے ہی آگے روایت ہوتی تھی۔ تحریرات بھی ہوں تو اُن کے آخر تصدیقات ثبت ہوتیں۔ علم حدیث کے یہ اسناد آج تک مسلسل چلے آرہے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند زندہ اساتذہ کے واسطوں سے مؤلفین کتب حدیث تک اور پھر ان محدثین کے واسطہ سے حضور اکرم ﷺ اور آپ کے اصحاب کرام تک پہنچائی ہے۔ دور اب تک روایت حدیث کی یہ اجازت برابر چلی آئی ہے۔

دربارِ رسالت ﷺ میں حدیث کا فیضان

حضور ﷺ کی ذاتِ گرامی حدیث کا موضوع تھی اور آپ کی ہر مجلس سے حدیث کا فیضان جاری تھا۔ اُٹھتے بیٹھتے کھاتے پیتے سوتے جاگتے آپ کی ہر ادا اُمت کے لیے اسوہ اور نمونہ تھی اور آپ کے ہر ارشاد وہدایت سے صحابہ کو زندگی کا درس ملتا تھا۔

مرد بھی اس فیضان حدیث سے جھولیاں بھرتے اور عورتیں بھی دربار رسالت ﷺ سے حدیث کا درس لیتی تھیں۔

عورتوں میں حدیث کی روایت

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ (۷۴ھ) کہتے ہیں کہ ایک خاتون حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس نے عرض کیا:

ذھب الرجال بحدیثک فاجعل لنا من نفسک یوما

نأتیک فیه تعلمنا مما علمک اللہ (صحیح بخاری جلد ۲ص ۱۰۸۷ دہلی، مسلم جلد ۲ص ۳۳۰ مصر)

مرد تو آپ کی حدیثیں لے جاتے ہیں آپ ہمارے لیے بھی کوئی دن مقرر کر دیں ہم آپ کے پاس آئیں اور آپ ہمیں پڑھا دیں۔

اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ جس طرح صحابہ کرام دربار رسالت ﷺ سے فیض پاتے رہے۔ صحابیات بھی اسی ذوق ایمانی سے حدیث کی طلب گار ہوتی تھیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام میں مردوں اور عورتوں کی تعلیم مخلوط نہیں۔ ورنہ ان کے لیے علیحدہ دن مقرر کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔

اور یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ عہد اول میں ہی عورتوں میں نقل روایت کا سلسلہ قائم ہو چکا تھا۔ ان دنوں عورتوں تک کو یہ بات معلوم تھی کہ حدیث کا سرچشمہ بھی تعلیم الٰہی ہے۔

بہر حال یہ ایک حقیقت ہے کہ جس طرح علم دین رجال امت میں سند سے جاری ہوا۔ عورتوں میں بھی حدیث کی روایت اسی قوت علم اور اہتمام عمل سے جاری ہوئی اور آج تک خواتین امت میں دین کی یہ محنت کسی نہ کسی صورت میں چلی آرہی ہے۔

سو حکمت الٰہی میں تقاضا ہوا کہ حضور ﷺ کے گھر میں حفظ روایت اور ثقاہت علم کے ایسے حالات پیدا کیے جائیں کہ آپ کے گھر کی زندگی بھی پوری امت کے سامنے روشن ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس عظیم خدمت کے لیے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا انتخاب ہوا اور وہ نہایت کم عمری میں ام المومنین کی منزلت رفیعہ پر

مسند نشین ہوئیں۔ اس عمر میں ان کا حرم نبوی میں آنا اسی خدمت حدیث اور حفظ روایت کے لیے تھا۔ آپ سے جہاں صحابہ کرام کے جم غفیر نے علم کی دولت لی۔ حضرت عمرہ (۱۰۳ھ) روایت حدیث میں آپ کی جانشین ٹھہریں۔

حدیث کے تین علمی مراکز

۱۔ حجاز ۲۔ عراق ۳۔ شام

حجاز..... مرکز اسلام مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ اسی سرزمین میں ہیں۔ آیات الٰہی اور فرامین نبوی ﷺ سب سے پہلے اسی سرزمین میں اترے۔ مدینہ منورہ کی سب سے بڑی درسگاہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا حلقہ درس تھا۔ مکہ مکرمہ میں بھی بڑے علمی حلقے تھے۔

عراق..... حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے وقت میں کوفہ اسلامی چھاؤنی بنا۔ بڑے بڑے فضلاء صحابہ رضی اللہ عنہم وہاں آباد ہوئے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ (۱۵۰ھ) اور امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ (۱۶۱ھ) کی درسگاہیں اسی سرزمین میں تھیں۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کوفہ کے بارے میں لکھتے ہیں

دار الفضل و محل الفضلاء. (شرح صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۸۵)

شام..... یہ سرزمین جلیل القدر صحابی حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ (۳۲ھ) کا مرکز درس تھی۔ بلند پایہ فقیہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا مرکز حکومت بھی یہی علاقہ تھا۔ امام اوزاعی (۱۵۷ھ) اس علاقے کے بڑے مجتہد تھے۔ برسوں ان دیار میں ان کی تقلید جاری رہی۔

پچھلی قوموں کو پہلے انبیاء سے علم کتاب اور علم آثار۔ دو ماخذ نہ ملے ہوتے تو حضور خاتم النبیین ﷺ ان قوموں کی گمراہی ان لفظوں میں بیان نہ کرتے۔

انهم كذبوا على انبيائهم كما حرفوا كتابهم. (رواہ احمد عن معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ)

انہوں نے جیسا کہ اپنی الہامی کتابوں کو بدلا۔ اپنے انبیاء پر بھی وہ باتیں لگائیں جو انہوں نے نہ کہی تھیں۔

اس حدیث میں پہلے انہیں اللہ کی کتاب بدلنے کا مجرم بتایا ہے پھر احادیث بدلنے اور موضوع روایات کو پیغمبروں کے نام سے بیان کرنے کا قصوروار ٹھہرایا ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پہلے پیغمبروں کی صحیح احادیث ان قوموں کے لیے حجت ہوں۔ اور ان نفوس قدسیہ کے نام سے غلط باتیں وضع کرنا حرام ہو۔ محدثین اسی لیے احادیث کی چھان بین کرتے ہیں۔ تا کہ پیغمبروں کے نام سے کوئی غلط بات راہ نہ پائے۔

حضور خاتم النبیین ﷺ کے دور میں بھی صراط مستقیم کی تشخیص یہی رہی کہ اس کی اساس اللہ کی آیات اور پیغمبروں کی ذات پر ہو۔ پیغمبر کی ذات کو نکال دینے سے وہ صراط مستقیم ہی کیا رہے گا:

وکیف تکفرون وانتم تتلی علیکم ایات اللہ وفیکم رسولہ ٭ ومن یعتصم باللہ فقد ھدی الی صراط مستقیم (پ ۴ آل عمران آیت ۱۰۱)

اور تم کس طرح کفر کر سکتے ہو۔ جب کہ تم میں (۱) اللہ کی آیات بھی تلاوت کی جا رہی ہیں اور (۲) تم میں اللہ کے رسول بھی موجود ہیں اور جو اللہ تعالیٰ کا سہارا لے گا وہ صراط مستقیم پا گیا۔

آنحضرت ﷺ کے بعد آپ کی تعلیمات کا نئی نوع انسان کی راہنمائی کے لیے موجود ہونا حضور ﷺ کے وجود باجود کا ہی فیض ہے۔

جب تک اللہ کی کتاب سے تمسک رہے اور حضور ﷺ کی تعلیمات پر عمل ہو۔ انسان کبھی کفر کی سرحد پر نہیں آتا۔ وہ کتاب وسنت سے صراط مستقیم کی دولت پا چکا ہوتا ہے۔

بندہ ناچیز راقم الحروف بارگاہ ربانی میں دست بدعا ہے کہ وہ اس کتاب بنام "عہد رسالت ﷺ کے محدثین کرام" کو میرے لیے وجہ تقرب بنائے اور اسے حسن قبولیت سے نوازے۔ اور میری خطاؤں اور لغزشوں کو معاف فرمائے۔ وَھُوَ وَلِیُّ التَّوفِیق

راقم اثیم

محمد روح اللہ نقشبندی غفوری 5/11/09

پہلا باب

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم

کا

کتابتِ حدیث

ایک غلط فہمی کا ازالہ

حدیث کے متعلق بے اعتمادی پھیلانے والوں کی طرف سے یہ بات کہی جاتی ہے کہ حدیثیں آنحضرت ﷺ کے زمانے میں قلم بند نہیں کی گئیں تھی، بلکہ لکھنے کی خود آپ ﷺ نے ممانعت فرمادی تھی، جیسا کہ صحیح مسلم کی حدیث ہے:

"لاتکتبوا عنی ومن کتب عنی غیر القرآن فلیمحہ، وحدثوا عنی ولا حرج ومن کذب علیّ متعمداً فلیتبوأ مقعدہٗ من النار" (مسلم، جلد اوّل)

مجھ سے کچھ نہ لکھو اور جس نے مجھ سے قرآن کے سوا کچھ لکھا ہے وہ اسے چاہیے کہ مٹادے اور مجھ سے حدیثیں بیان کرو، اس میں کچھ حرج نہیں، اور جس نے میرے متعلق قصداً جھوٹ بولا اسے چاہیے کہ وہ اپنا ٹھکانہ جہنم کو بنالے۔

امام بخاریؒ وغیرہ دیگر محدثین کے نزدیک اس روایت پر کلام ہے، ان کی تحقیق میں یہ الفاظ حضور ﷺ کے نہیں ہیں، بلکہ خود ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے ہیں، جن کو غلطی سے راوی نے مرفوعاً نقل کردیا۔ (فتح الباری جلد:۱ص ۱۵۵)

لیکن بالفرض اگر اس حدیث کو موقوف نہیں بلکہ مرفوع ہی تسلیم کرلیا جائے۔ تب بھی یہ ممانعت وقتی اور عارضی تھی، جو اس زمانے میں خاص طور سے حفاظت قرآن کے سلسلے میں دی گئی تھی، چونکہ حق تعالیٰ شانہ نے حضور ﷺ کو "جوامع الکلم" عطا فرمائے تھے، اس لیے اندیشہ تھا کہ یہ نئے نئے لوگ جو ابھی ابھی قرآن سے آشنا ہورہے ہیں، کہیں دونوں کو خلط ملط نہ کردیں، ادھر آپ ﷺ کو اپنی قوم کے حافظے پر اعتماد تھا، مگر جب قرآن سے اشتباہ کا اندیشہ جاتا رہا تو کتابت حدیث کی اجازت دے دی گئی، بلکہ روایات سے آپ کا خود لکھوانا واملا کرانا ثابت ہے۔

(۱) جامع ترمذی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک انصاری رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کی خدمت مبارک میں بیٹھتے، آپ کی باتیں سنتے

اور بہت ' سنا کرتے مگر یاد نہ رکھ پاتے، آخر انہوں نے اپنی یادداشت کی خرابی کی شکایت رسول اللہ ﷺ سے کی کہ یارسول اللہ! میں آپ سے حدیث سنتا ہوں وہ مجھے اچھی لگتی ہے، مگر میں اسے یاد نہیں رکھ سکتا، اس پر آپ ﷺ نے یہ ارشاد فرماتے ہوئے کہ

"استعن بیمینک واوما بیده للخط" (جامع ترمذی باب ماجاء فی الرخصۃ فی کتابۃ العلم جلد ۲، ص ۱۰۱)

اپنے داہنے ہاتھ سے مدد لو، اور اپنے دست مبارک سے لکھنے کی طرف اشارہ کیا۔

(۲) حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے بارگاہ نبوی میں شکایت کی کہ

"یا رسول الله انا نسمع منک اشیاء فنکتبها؟"

یارسول اللہ! ہم آپ ﷺ کی زبانی بہت سی باتیں سنتے ہیں اور اس کو لکھ لیتے ہیں تو اس کی نسبت کیا حکم ہے؟

آنحضرت ﷺ نے فرمایا، لکھتے رہو اس میں کوئی حرج نہیں۔

(مجمع الزوائد جلد اول، ص ۱۵۱، بحوالہ طبرانی)

حضرت رافع رضی اللہ عنہ بن خدیج کے بیان سے معلوم ہوا کہ متعدد اشخاص کا دستور تھا کہ وہ حدیثیں سن کر لکھ لیتے تھے۔

(۳) حاکم صاحب مستدرک نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد بھی نقل کیا ہے کہ

"قیدوا العلم بالکتاب" (منتخب کنز العمال جلد ۴، ص ۶۹)

علم کو قید کتابت میں لے آؤ۔

خود آنحضرت ﷺ کا احکام وہدایات کو قلم بند کروانا

آنحضرت ﷺ نے نہ صرف یہ کہ کتابت حدیث کی اجازت دی تھی بلکہ بہت

سے مواقع پر آپ ﷺ کا لکھوانا اور املا کرانا بھی ثابت ہے۔

(۱) فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ نے ایک خطبہ دیا تھا، صحیح بخاری میں ہے کہ ابوشاہ یمنی رضی اللہ عنہ ایک صحابی کی درخواست پر آپ ﷺ نے یہ خطبہ لکھ کران کے حوالہ کرنے کا حکم دیا تھا۔ (صحیح بخاری کتاب العلم)

(۲) ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجمع سے پوچھا کہ کسی کو معلوم ہے کہ آنحضرت ﷺ نے شوہر کی دیت میں بیوی کو کیا دلایا ہے؟ ضحاک رضی اللہ عنہ بن سفیان نے کھڑے ہو کر کہا کہ مجھے معلوم ہے، آنحضرت ﷺ نے ہم کو یہ لکھوا کر بھیجا تھا۔ (سنن دارقطنی، ج ۲، ص ۴۸۵)

(۳) حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کو جب ۱۰ھ میں آپ ﷺ نے نجران پر عامل بنا کر بھیجا، تو ایک تحریر لکھوا کران کے حوالے کی تھی، حافظ ابن عبدالبر لکھتے ہیں:

"وکتب رسول اللہ ﷺ کتاب الصدقات والدیات والفرائض والسنن لعمرو بن حزم وغیرہ" (جامع بیان العلم باب الرخصۃ فی کتابۃ العلم)

رسول اللہ ﷺ نے عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کے لیے صدقات، دیات، فرائض وسنن کے متعلق ایک کتابی تحریر کروائی تھی۔

محمد بن شہاب زہری کا بیان ہے کہ یہ کتاب چمڑے پر تحریر تھی، اور عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کے پوتے ابوبکر بن حزم کے پاس موجود تھی، وہ یہ کتاب میرے پاس بھی لے کر آئے تھے اور میں نے اس کو پڑھا تھا۔ (سنن نسائی)

علامہ زیلعی بعض حفاظ سے نقل کرتے ہیں کہ عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کی کتاب کے نسخہ کو ائمہ اربعہ نے قبول کیا ہے، اور یہ نسخہ بھی عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کے نسخے کی طرح متوارث ہے۔ (نصب الرایہ جلد ۲، ص ۳۴۲)

(۵) حضرت عبداللہ بن حکیم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی وفات سے ایک ماہ پیشتر قبیلہ جہینہ کی طرف یہ لکھوا کر بھیجا تھا کہ مردار کی کھال اور

پتھوں کو کام میں نہ لایا جائے، جامع ترمذی میں وفات سے دو ماہ قبل مذکور ہے۔

(سنن ابی داؤد باب من روی ان لا یستمتع باہاب المیتہ وجامع ترمذی جلد ا، ص ۲۰۳)

ہم نے ان چند تحریروں کو بطور مثال پیش کیا ہے، ورنہ مختلف قبائل وافراد کے نام خطوط وتحریری احکام اور صلح نامے و دعوت نامے وغیرہ جو آپ ﷺ نے وقتاً فوقتاً لکھوائے ہیں ان کی تعداد سیکڑوں سے متجاوز ہے۔ اس موضوع پر علماء نے مستقل کتابیں لکھی ہیں۔

صحابہ کی کتابت حدیث

صحابہ کرام کا حضور ﷺ کی اجازت سے احادیث کو لکھنا بدرجہ تواتر ثابت ہے۔ اور فقط اجازت ہی نہیں بلکہ کتابت کا حکم بھی ثابت ہے۔

حکیم ترمذی انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے طبرانی اور حاکم۔ عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں۔ کہ نبی کریم ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا:

"قیدوا العلم بالکتابۃ" (ابن عبدالبر، جامع بیان العلم، ج ۱: ص ۷۳)

"علم کو کتابت کے ساتھ مقید کرو"۔

یعنی علم ایک صید یعنی شکار ہے اور کتابت اس کے لیے قید ہے علم کے صید کو کتابت کی قید میں لاؤ مبادا کہیں حافظہ سے نکل کر اڑ جائے۔

علامہ عزیزی فرماتے ہیں کہ ایک اسناد اس کی صحیح ہے۔ اور حضور ﷺ کے مرض الوفات کا مشہور واقعہ صحیح بخاری، صحیح مسلم اور دیگر کتب صحاح میں موجود ہے کہ آپ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ دوات، قلم، کاغذ لاؤ کہ تمہارے لیے تحریر لکھوا دوں تاکہ تم میرے بعد گمراہ نہ ہو۔ (حاکم نیشاپوری، المستدرک، حیدرآباد دائرۃ معارف، ۱۳۳۶ھ، ج ۱: ص ۱۰۵، ۱۰۶)

ظاہر ہے کہ آپ ﷺ جو لکھواتے وہ حدیث ہی تو ہوتی اور حضور ﷺ ہی کا تو ارشاد ہوتا۔ قرآن تو نہ ہوتا۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ حضور ﷺ کی زندگی کا آخری فعل ہے۔ اس میں نسخ اور تغیر وتبدل کا کوئی احتمال نہیں۔ ممانعت کتابت کا حکم بلاشبہ مرض الوفات کے واقعہ سے پہلے کا ہے۔ جو اس آخری حکم سے منسوخ سمجھا جائے گا۔ کتابت حدیث کی ممانعت کا حکم کسی وقتی مصلحت پر محمول ہوگا۔ جب تک وہ مصلحت رہی، حکم باقی

رہا اور جب وہ مصلحت ختم ہو گئی، تو ممانعت کا حکم بھی ختم ہو گیا۔

اور اگر بالفرض والتقدیر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ حضور ﷺ نے صحابہ کو بالکلیہ کتابت حدیث سے منع فرمادیا تھا۔ تو اس سے یہ کیسے ثابت ہوا کہ حدیث کی روایت اور اس پر عمل کرنا بھی جائز نہیں۔ کتابت کی ممانعت سے یہ لازم نہیں آتا کہ روایت بھی ممنوع ہو جائے۔ حاکم بسا اوقات کوئی حکم دیتا ہے مگر کسی مصلحت سے اس کو لکھنے کی ممانعت کردیتا ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ حکم واجب العمل بھی نہ رہے۔ خصوصاً جب کہ اسی حدیث میں "لا تکتبوا عنی غیر القرآن" کے بعد "وحدثوا عنی ولا حرج" کا لفظ بھی موجود ہے۔ جس کا صاف مطلب ہے کہ کسی مصلحت سے کتابت کی ممانعت ہے روایت کی ممانعت نہیں۔ صحیح مسلم میں پوری حدیث اس طرح سے ہے:

"عن ابی سعید الخدری ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال لا تکتبوا عنی غیر القرآن و من کتب عنی غیر القرآن فلیمحه وحدثوا عنی ولا حرج و من کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعده من النار" (مسلم الجامع الصحیح (۳۰۰۴) ج ۴ ص ۲۲۹۸ کتاب الزہد (۵۳) باب التثبت فی الحدیث وحکم کتابۃ العلم (۱۶) مطبوعہ بیروت، دار احیاء تحقیق فؤاد عبدالباقی)

"ابوسعید خدری راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھ سے سوائے قرآن کے کچھ نہ لکھوا اور اگر لکھا ہو تو مٹا دو۔ البتہ میری حدیث کو زبانی روایت کرو۔ اس میں کوئی حرج نہیں"۔

منکرین حدیث جب اس حدیث کو نقل کرتے ہیں تو حدیث کا اول جملہ لاتکتبوا عنی تو نقل کردیتے ہیں۔ اور آخری جملہ یعنی وحدثوا عنی: "میری حدیث کو روایت کرو" کو ذکر نہیں کرتے تو کیا یہ تلبیس اور کتمان حق نہیں۔ امام نووی شرح مسلم میں لکھتے ہیں:

"قال القاضی کان بین السلف من الصحابة والتابعین

اختلاف كثير في كتابة العلم فكرهها كثيرون منهم ثم اجمع المسلمون على جوازها وزال الخلاف"

"قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صحابہ اور تابعین میں کتابت علم کے بارے میں اختلاف تھا بہت سے علم کی کتابت کو ناپسند کرتے تھے۔ مگر بعد میں تمام مسلمانوں کا جواز کتابت پر اجماع ہو گیا اور وہ اختلاف بالکل ختم ہو گیا"۔(۱)

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا مشورہ

(کتابت حدیث کے بارے میں فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ)

"قد روى البيهقي في المدخل عن عروة بن الزبير ان عمر بن الخطاب اراد ان يكتب السنن فاستشار في ذلك اصحاب رسول الله ﷺ فاشاروا عليها ان يكتبها فطفق عمر يستخير الله فيها شهرا ثم اصبح يوما وقد عزم الله له فقال اني كنت اردت ان اكتب السنن واني ذكرت قوما كانوا قبلكم كتبوا كتبا فاكبوا عليها وتركوا كتاب الله واني والله لا البس

۱۔ نووی، محی الدین ابوزکریا یحیٰ بن شرف، شرح صحیح مسلم، بیروت۔ مناہل القرآن، ج ۱۸، ص ۲۲۹، ۲۳۰۔ علامہ سیوطی کے مطابق صحابہ کرام میں سے عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن مسعود، زید بن ثابت، ابو موسیٰ اشعری، ابوسعید خدری، ابوہریرہ اور عبداللہ بن عباس ابتداء میں کتابت حدیث کو پسند نہیں کرتے تھے جب کہ حضرت علی، حسن بن علی، عبداللہ بن عمرو، انس بن مالک، اور جابر بن عبداللہ شروع ہی سے کتابت حدیث کے قائل تھے اور لکھتے تھے، بعد ازاں عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن عمر بھی جواز کے قائل ہو گئے۔ سیوطی، تدریب، ج ۲، ص ۶۵

کتاب اللہ بشئی ابداً" (سیوطی جلال الدین، تدریب الراوی، بیروت دارالکتب العلمیہ، ج ۲، ص ۶۷، ۶۸)

"عروہ بن زبیر راوی ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے احادیث نبویہ کی کتابت کا ارادہ فرمایا کہ اگر احادیث و سنن۔ کتابت میں آجائیں تو نہایت عمدہ ہو، مشورہ کے لیے حضرات صحابہ کو بلایا سب نے بالاتفاق یہی مشورہ دیا کہ سنن نبویہ کی کتابت کرانی چاہیے اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک ماہ تک اللہ تعالیٰ سے اس بارہ میں استخارہ کرتے رہے ایک دن صبح کو اٹھے اور یہ فرمایا کہ میں نے سنن نبویہ کی کتابت کا ارادہ کر لیا تھا لیکن مجھ کو گزشتہ قوموں کا خیال آیا کہ انہوں نے اپنی ایک مذہبی کتاب لکھی اور پھر اس پر اس درجہ جھکے اللہ کی کتاب کو چھوڑ بیٹھے (مجھ کو بھی یہی اندیشہ ہے) خدا کی قسم میں اللہ کی کتاب کے ساتھ کسی اور چیز کا ملانا پسند نہیں کرتا"۔

اور ایک روایت میں یہ لفظ ہیں:

واللہ لا اشوب کتاب اللہ بشئی ابداً

خدا کی قسم اللہ کی کتاب کے ساتھ آمیزش نہ ہونے دوں گا۔

اور روایت میں یہ لفظ ہیں:

لا کتاب مع کتاب اللہ (ابن سعد، الطبقات، ج ۳، ص ۲۰۶۔ ابن عبدالبر، جامع بیان العلم وفضلہ، ج ۱، ص ۶۴)

اللہ کی کتاب کے ساتھ کوئی اور کتاب نہیں۔

اس روایت سے صاف ظاہر ہے کہ فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ اور حضرات صحابہ حدیث نبوی کو بلاشبہ و تردد۔ حجت اور اس کی کتابت کو موجب سعادت سمجھتے تھے سب سے پہلے خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دل میں کتابت حدیث کا داعیہ پیدا ہوا۔ اور مشورہ کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بلایا۔ سب نے بالاتفاق یہی مشورہ دیا کہ

احادیث اور سنن کی کتابت کرائی جائے۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھا کہ اس میں شک نہیں کہ حدیث کی کتابت عظیم مصلحت ہے لیکن اس کے ساتھ ایک مفسدہ کا بھی خطرہ ہے خطرہ کو ترجیح دی اور کتابت حدیث کا ارادہ ترک فرمادیا وہ یہ کہ مبادا مصحف خداوندی کے ساتھ کسی دوسرے صحیفہ کی تدوین کا اہتمام خلاف ادب نہ ہو۔ صحابۂ کرام بھی ابھی جمع قرآن سے فارغ ہوئے ہیں۔ ابھی اگر جمع حدیث اور تدوین سنت کی طرف متوجہ ہوئے تو مبادا کسی وقت قاصر الفہم (کوتاہ اندیش) صحیفۂ سنت کو مصحف خداوندی کے مماثل نہ سمجھ بیٹھیں۔ اکتاب مع کتاب اللہ کا لفظ اسی طرف مشیر معلوم ہوتا ہے کہ کتاب اللہ کے ساتھ کسی اور کتاب کی کتابت سے موہم مماثلت نہ ہو۔ اور پھر رفتہ رفتہ کہیں کتاب اللہ کے چھوڑ بیٹھنے کا سبب نہ بن جائے۔ اور عجیب نہیں کہ بعض لوگوں کا خیال یہ ہوا کہ حدیث نبوی کو قرآن کے ساتھ ملا کر لکھا جائے۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"لا اشوب كتاب الله بشيئ"

کتاب اللہ کے ساتھ کسی شئے کی آمیزش میں ہرگز پسند نہیں کرتا۔

غرض یہ کہ اس خطرہ کی بناء پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کتابت حدیث کا ارادہ فسخ (ختم ملتوی) فرمایا۔ معاذ اللہ اگر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حدیث کو حجت نہیں سمجھتے تھے تو پہلے ہی سے لکھنے کا کیوں ارادہ فرمایا اور صحابۂ کرام سے کیوں مشورہ کیا اور سب نے بالاتفاق کیوں کتابت کا مشورہ دیا۔

صحابہ کے کتابت نہ کرنے کی وجہ

ابن بشکوال فرماتے ہیں کہ "صحابۂ کرام اور خلفائے راشدین نے قرآن کریم کی طرح احادیث نبویہ کو ایک صحیفہ میں اس لیے جمع اور مدون نہیں کیا کہ صحابہ حضور ﷺ کی خدمت میں اطراف و اکناف سے آتے تھے اور چلے جاتے تھے اور ان آنے والے حضرات نے جو خصوصاً ارشادات اور کلمات طیبات حضور ﷺ سے سنے تھے اور اتفاق سے ارشاد کے وقت مجلس نبوی میں ان کے سوا کوئی اور نہ تھا۔ وہ ارشادات فقط انہی حضرات کے سینوں میں محفوظ تھے اور یہ سب حضرات اپنے مختلف مواضع میں منتشر تھے کہ

بہت سوں کو ان کا علم بھی نہ تھا۔ اس لیے ان منتشر اور متفرق حضرات کے پاس سے احادیث نبویہ کا جمع کرنا بہت دشوار تھا۔

نیز قرآن کی طرح احادیث نبویہ کے الفاظ متعین نہ تھے بلکہ مختلف تھے دس آدمی اگر مجلس نبوی میں حاضر ہوئے اور وہاں کوئی واقعہ پیش آیا تو اس واقعہ کی حکایت میں ہر ایک کی تعبیر لامحالہ مختلف ہوگی۔ ارشاد نبوی کے نقل میں بھی ممکن ہے کہ کچھ الفاظ میں تبدیلی ہو جائے اس لیے کہ مقصود معنی تھے بعینہ الفاظ کی روایت واجب نہ تھی اگر چہ وہ تبدیلی صحت روایت میں کوئی قادح (نفع، رکاوٹ) نہیں اس لیے کہ وہ حضرات اہل زبان تھے اور اہل فہم تھے مزاج شناس تھے۔ صدق مجسم تھے۔ کذب اور شوائب کذب (جھوٹ کے شبہات) سے ان کے دل اور زبان پاک تھے اور اگر بالفرض والتقدیر یہ بھی نہ ہوتو مترجم اور ترجمان سے تو کم نہ تھے۔ نیز حضور علیہ السلام ہی بسا اوقات ایک بات کو مختلف الفاظ سے بیان فرماتے تھے۔ اس لیے قرآن کی طرح احادیث اور سنن کی جمع اور تدوین مشکل تھی۔

اگر بایں ہمہ حضرات صحابہ منتخب احادیث کا کوئی مجموعہ مرتب فرماتے اور خلافت راشدہ کے زیر اہتمام مرتب ہو کر وہ شائع ہوتا تو ظاہر ہے کہ وہ مجموعہ تمام احادیث اور سنن کو حاوی نہ ہوتا بلکہ ان میں سے ایک منتخب اور قلیل حصہ کا حامل ہوتا اور خلافت راشدہ کی طرف شائع ہوتا تو ظاہر ہے کہ وہ مجموعہ تمام احادیث اور سنن کو حاوی نہ ہوتا بلکہ ان میں سے ایک منتخب اور قلیل حصہ کا حامل ہوتا اور خلافت راشدہ کی طرف سے شائع ہوتا تو اس کا نتیجہ یہ نکلتا کہ لوگ فقط اسی صحیفہ کی احادیث کو حجت سمجھتے کہ جو خلافت راشدہ کی طرف سے شائع ہوا اور وہ احادیث اور سنن جو اس صحیفہ میں نہ ہوتیں ان کو حجت نہ سمجھتے۔ اس طرح امت، نبی اکرم علیہ السلام کے اکثر ارشادات اور کلمات طیبات سے محروم ہو جاتی۔ اس لیے حضرات صحابہ نے حدیث نبوی کی جمع اور تدوین کی طرف توجہ نہیں فرمائی اور امت کے لیے طلب حدیث کا میدان وسیع کر دیا کہ جس جگہ سے چاہیں حدیث نبوی کو تلاش کریں اور جہاں سے ملے وہاں سے لے لیں کسی خاص کتاب اور خاص صحیفے کی قید

نہیں۔ خلافت راشدہ نے تو صرف جمع قرآن پر اکتفا کیا۔ اور احادیث نبویہ کی حفاظت اور اس کی تدوین لوگوں پر چھوڑ دی کسی نے زبانی روایت سے احادیث نبویہ کی حفاظت کی اور کسی نے کتابت کے ذریعہ احادیث کو محفوظ کیا۔ اس طرح احادیث محفوظ ہو گئیں۔

(ابن بشکوال: خلف بن عبد الملک، (۵۷۸ھ)۔ کتاب الصلۃ)

حضور اقدس ﷺ کے وصال کے بعد دنیا آپ کے جمال نبوت کے مشاہدہ سے محروم ہوگئی۔ لوگ بے تابی کے عالم میں حضور ﷺ کے دیکھنے والوں پر پروانوں کی طرح گرے۔ صحابہ نے حضور ﷺ کو جو کچھ کرتے دیکھا، وہ تابعین کو کر کے دکھلا دیا۔ اور جو آپ سے سنا تھا، وہ سب ان کو سنا دیا۔ غرض یہ کہ حضور ﷺ کا کوئی قول اور فعل، کوئی حرکت اور سکون ایسا نہ رہا کہ جس کی صحابہ نے تابعین سے حکایت اور روایت نہ کی ہو۔ اس طرح احادیث نبویہ اور سنن مصطفویہ کے تمام تر یواقیت اور جواہر صحابہ کرام کے مبارک سینوں سے تابعین کے مبارک سینوں میں پہنچ گئے۔ صحابہ کرام استاذ ہیں اور تابعین شاگرد ہیں۔ افادہ اور استفادہ کا سلسلہ جاری ہے۔

عہد نبوت ہی سے کچھ صحابہ حضور ﷺ کے ارشاد قلمبند کیا کرتے تھے۔ وصال کے بعد اس میں اور زیادتی ہوگئی۔ لیکن اکثر صحابہ زبانی ہی روایت فرماتے۔ اور اگر کوئی شاگرد ان کی حدیثوں کو لکھنا چاہتا تو اس کو منع فرماتے:

"وعن ابی نضرۃ قال قلت لابی سعید الخدری الا نکتب ما نسمع منک قال تریدون ان تجعلوھا مصاحف ان نبیکم صلی اللہ علیہ وسلم کان یحدثنا فنحفظ فاحفظوا کما کنا نحفظ" (ابن عبد البر اندلسی، جامع بیان العلم وفضلہ ص ۶۴)

"ابونضرہ کہتے ہیں کہ میں نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ کیا جو حدیثیں ہم آپ سے سنتے ہیں ان کو قلم بند کر لیا کریں تو فرمایا کہ نبی کریم ﷺ ہم سے زبانی ارشاد فرماتے تھے

اور ہم اس کو سن کر یاد کر لیتے ویں جس طرح ہم نے رسول اللہ ﷺ

سے زبانی سن کر یاد رکھا ہے تم بھی اسی طرح یاد رکھو"۔

یعنی حضور ﷺ نے جس شان سے ہم تک اللہ کا دین اور علم پہنچایا، ہم بھی اس علم کو تم تک اسی طرح پہنچانا چاہتے ہیں۔ اس طریق ادا میں ہم کو تغیر اور تبدل پسند نہیں۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا عمل

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے ایک دن لوگوں کو اپنی روایت فرمودہ حدیثوں کو لکھتے ہوئے دیکھ لیا۔ فرمایا مجھ کو دکھلاؤ کیا لکھا ہے اور پانی منگا کر سب کو دھو ڈالا اور یہ فرمایا کہ جس طرح ہم نے حضور ﷺ سے زبانی سن کر یاد کیا ہے تم بھی اسی طرح سن کر یاد کرو۔ یہ عشق نبوی ﷺ کی انتہا ہے کہ جس طریق سے سنا ہے اسی طریق سے تم کو سنائیں گے اور تم کو اسی طرح سننا اور یاد کرنا ہوگا۔ یہ عشق ادا خوب سمجھ لو۔

چنانچہ حافظ عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ شرح بخاری میں لکھتے ہیں:

"قال العلماء کرہ جماعۃ من الصحابۃ و التابعین واستحبوا ان یؤخذ عنہم حفظا کما اخذوا حفظا لکن لما قصرت الھمم وخشی الایمۃ ضیاع العلم دونوہ وکثر اللہ دین ثم التصنیف وحصل بذلک خیر کثیر فللّٰہ الحمد" (ابن حجر فتح الباری، کتاب العلم، باب کتابۃ العلم ج۱، ص۱۸۵)

"صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت کو حدیث کی کتابت پسند نہ تھی۔ ان کو یہ پسند تھا کہ جس طرح ہم نے رسول اللہ ﷺ سے بطور حفظ لیا ہے اسی طرح لوگ ہم سے بطور حفظ لیں لیکن جب ہمتیں قاصر ہو گئیں اور علم کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہوا تو علماء نے علم حدیث کو مدون کیا اور کثرت سے کتابیں لکھیں جس کی وجہ سے خیر کثیر حاصل ہوئی"۔ فللّٰہ الحمد والمنۃ

منکرین حدیث احادیث کو مٹانے کے واقعات کتب حدیث سے نقل کر کے لوگوں کو یہ سمجھانا چاہتے ہیں کہ صحابۂ کرام اس لیے احادیث کو جلاتے یا مٹاتے تھے کہ معاذ اللہ صحابۂ کرام حدیث نبوی کو حجت اور واجب العمل نہیں سمجھتے تھے اور ان کا مقصود ہی مٹانے سے یہ تھا کہ جب حدیث قلم بند نہ ہوگی تو ایک نہ ایک دن مٹ جائے گی۔ قاتلھم اللّٰہ انّی یؤفکون۔ (التوبہ:۳۰)

''بریں عقل و دانش بباید گریست'' (اس عقل و دانش پر تو ماتم کرنا چاہیے)

حیرت اور سخت حیرت کا مقام ہے کہ منکرین حدیث مطبوعہ کتابوں سے قطع و برید کر کے عبارتیں نقل کر دیتے ہیں۔ جتنا الفاظ ان کی غرض اور خواہش کے مطابق ہوتا ہے اتنا لے لیتے ہیں اور اس کے سیاق اور سباق کو حذف کر دیتے ہیں تاکہ کوئی صحیح مطلب نہ سمجھ سکے۔ ''قراطیس تبدونھا وتخفون کثیراً'' (الانعام:۹۱) غرض یہ کہ بعض صحابہ کتابت حدیث سے اس لیے منع کرتے تھے کہ وہ زبانی سلسلہ روایت کو پسند فرماتے تھے۔ نہ کہ اس وجہ سے کہ معاذ اللہ حدیث نبوی ان کے نزدیک حجت نہیں تھی، اگر حجت نہیں تھی تو روایت ہی کیوں کرتے تھے جس چیز کی کتابت ناجائز ہے اس کی روایت بھی ناجائز ہونی چاہیے۔ ساری دنیا کو معلوم ہے کہ صحابۂ کرام حضور پر نور ﷺ کے عاشق جاں نثار تھے۔ حضور ﷺ کے پسینے کے لیے اپنا خون بہاتے تھے۔ آپ کا تھوک اور سنک کبھی زمین پر نہیں گرا حضور ﷺ جب تھوکتے تھے تو صحابۂ کرام ہاتھوں ہاتھ اس کو لیتے اور اپنی آنکھوں سے ملتے۔ اور یہ ناممکن ہے کہ عاشق اور محب صادق ہو اور اپنے معشوق اور محبوب کے کلام کو حجت نہ سمجھے۔ ایسا عاشق تو کبھی سننے ہی میں نہیں آیا کہ اپنے معشوق کے کلام کو اس لیے جلاتا یا مٹاتا ہو کہ کہیں لوگ محبوب کے قول پر عمل نہ کر بیٹھیں، اہل عقل اور اہل فہم پر مخفی نہیں کہ کسی مصلحت سے کسی شئے کا مٹانا یا جلانا اس کے غیر معتبر ہونے کی دلیل نہیں۔ ''یمحو اللّٰہ مایشاء ویثبت وعندہ ام الکتاب'' (الرعد:۳۹) صحابۂ کرام نے قرآن کریم کو جمع کرنے کے بعد اس کے سات نسخے نقل کرا کر اطراف اور اکناف میں بھیجے اور جو مختلف نسخے لوگوں کے پاس تھے ان کو لے کر جلا دیا۔ (امام بخاری نے حذیفہ بن

ایمان کی روایت انس بن مالک سے نقل کیا ہے جس کے مطابق حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ان نسخوں اور مجموعوں کو جلانے کا حکم دیا گیا جن میں صحابہ نے وہ سورتیں لکھی ہوئی تھیں جو انہیں یاد تھیں اور ان کی تلاوت ان کا معمول تھا ان مجموعات میں سورتوں کی جس ترتیب کا بھی لحاظ نہ تھا۔ ان مجموعات کو جلانے کا حکم دیا گیا تا کہ کوئی اختلاف باقی نہ رہے۔ دیکھیے بخاری، الجامع الصحیح (۳+ ۲ جلد) ج ۲: ص ۱۹۰۸، باب جمع القرآن، کتاب فضائل القرآن) یہ جلا دینا مصلحت کے لیے تھا کہ کوئی ملحد اور زندیق قرآن کریم میں ان منتشر اوراق میں کوئی لفظ کم و بیش کر کے امت میں فتنہ نہ برپا کر دے۔ معاذ اللہ اس لیے نہ تھا کہ قرآن حجت نہیں۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا مجموعہ حدیث جلانا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا پانچ سو حدیثوں کے مجموعہ کو جلانا بالفرض والتقدیر اگر کسی سند صحیح سے ثابت ہو جائے تو لامحالہ وہ کسی خاص مصلحت کی بنا پر ہوگا۔ اور وہ مصلحت خود اس روایت میں مذکور ہے۔ وہ یہ کہ مجھ کو مجموعہ پر اطمینان نہیں۔ (ذہبی، تذکرۃ الحفاظ، ج: ص ۵)

معلوم ہوا کہ یہ جلانا عدم اطمینان کی بنا پر تھا۔ اس بنا پر نہ تھا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ حدیث نبوی کو حجت نہیں سمجھتے تھے۔ حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ابو بکر کے اس واقعہ کو نقل کر کے صاف لکھ دیا ہے" **لا یصح ذلک** " (حوالہ مذکور) یعنی یہ روایت صحیح نہیں منکرین حدیث تذکرۃ الحفاظ سے اس غیر معتبر روایت کو نقل کر دیتے ہیں اور **ھٰذا لا یصح** کا لفظ جو اس روایت کے بعد متصلاً لکھا ہوا ہے۔ اس کو نقل نہیں کرتے۔ اور علیٰ ھذا اس کے بعد حدیث نبوی کے مطابق جو فیصلہ کرنے کے واقعات تذکرۃ الحفاظ میں لکھے ہیں ان کو نقل نہیں کرتے۔ کیا یہ صریح خیانت اور تدلیس نہیں ہے اور بھلا اس بات کو کون دیوانہ قبول کر سکتا ہے کہ جو شخص نبی اکرم ﷺ کا رفیق، جان نثار اور یار غار ہو اور جس نے اپنا تمام جان و مال حضور پر نور ﷺ پر قربان اور نثار کر دیا ہو، وہ حدیث نبوی کو حجت نہ سمجھتا ہو۔ خوب سمجھ لو کہ جس شخص کا یہ عقیدہ ہو کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ حدیث نبوی کو حجت نہیں سمجھتے تھے، وہ بلا شبہ دیوانہ ہے اور جو اس مجنونانہ عقیدہ کی تصدیق کرے وہ اس سے بڑھ کر دیوانہ ہے۔ " دیوانہ گفت ابلہ باور کرد " کی مثل اس پر صادق ہے۔ (حوالہ مذکور)

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا حدیثیں جلانا

عبداللہ بن علاء کہتے ہیں کہ میں نے قاسم بن محمد سے درخواست کی کہ مجھے کچھ حدیثیں لکھوا دیں تو محمد بن قاسم نے یہ کہا:

"ان الاحادیث کثرت علی عهد عمر بن الخطاب فانشد الناس ان یاتوه بها فلما اتوه بها امر بتحریقها"

(ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج۵، ص۱۴۰)

"فاروق اعظمؓ کے زمانہ میں لوگ احادیث کثرت سے بیان کرنے لگے (یعنی روایت میں احتیاط کو ملحوظ نہ رکھی) تو فاروق اعظمؓ نے ان غیر محتاط لوگوں کو بلوایا کہ وہ کتابیں لے کر حاضر ہوں چنانچہ وہ لوگ اپنی کتابیں لے کر حاضر ہوئے تو ان کے جلانے کا حکم دیا"۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو جن لوگوں کے مجموعہ پر اطمینان نہ ہوا، اس کو منگا کر جلا دیا۔ غرض یہ کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا کسی خاص مجموعہ کو جلانا اس لیے تھا کہ وہ خاص مجموعہ ان کی نظر میں معتبر اور مستند نہ تھا۔ ورنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک اگر حدیث نبوی معتبر نہ تھی تو خود کیوں حدیثوں کی روایت کرتے تھے۔ اور صحابہ سے کیوں دریافت کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس بارہ میں کیا فرمایا اور جب کوئی حدیث معتبر ذریعہ سے ان کو معلوم ہوتی، فوراً اس پر عمل فرماتے۔

حدیث نبوی ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم

صدیق اکبر اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہم کا عام طور پر روایت حدیث سے منع کرنا، کسی روایت کرنے والے سے شاہد اور گواہ کا طلب کرنا احتیاط پر مبنی تھا۔ معاذ اللہ اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ ان حضرات کے نزدیک حدیث نبوی حجت نہ تھی حضور ﷺ کے وصال کے بعد دنیا صحابہ کرام پر پروانوں کی طرح گری اور ہر لمحہ اور ہر لحظہ یہی ترقی کر رہے

معلوم کریں کہ حضور ﷺ نے کیا فرمایا اور کیا کیا، دن رات یہی مشغلہ تھا کہ احادیث نبویہ کو سنتے اور یاد کرتے۔ صدیق اکبر اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہم نے حکم دیا کہ روایت کی کثرت سے پرہیز کریں اور احتیاط سے کام لیں اس لیے کہ کثرت روایت میں اندیشہ غلطی کا ہے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی احتیاط

(روایت حدیث میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی احتیاط)

حافظ شمس الدین ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں لکھتے ہیں:

"وکان (ای ابوبکر رضی اللہ عنہ) اول من احتاط فی قبول الاخبار فروی ابن شہاب عن قبیصۃ بن ذویب ان الجدۃ جائت الی ابی بکر تلتمس ان تورث فقال ماجد لک فی کتاب اللہ شیئا وما علمت ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذکر لک شیئا ثم سال الناس فقام المغیرۃ فقال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعطیہا السدس فقال لہ ھل معک احد فشہد محمد بن مسلمۃ بمثل ذلک فانفذہ لہا ابوبکر" (ذہبی، تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲)

"سب سے پہلے شخص جنہوں نے قبول روایت میں احتیاط کی سنت جاری کی وہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں جیسے کہ زہری قبیصہ سے راوی ہیں کہ ایک جدہ یعنی دادی اپنے پوتے کی میراث مانگنے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئی۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں دادی کے متعلق نہ تو کتاب اللہ میں کوئی حکم پاتا ہوں اور نہ رسول اللہ ﷺ کا کوئی فرمان مجھ کو اس بارے میں معلوم ہے۔

بعد ازاں آپ نے لوگوں سے دریافت کیا تو مغیرہ رضی اللہ عنہ
کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ میں نے سنا ہے کہ نبی کریم ﷺ
جدا (دادی) کو سدس۔ (چھٹا حصہ) دلواتے تھے۔ ابوبکر رضی اللہ
عنہ نے فرمایا اور بھی کوئی اس پر شاہد ہے۔ محمد بن مسلمہ نے شہادت
دی۔ آپ نے ان کی شہادت سن کر دادی کو چھٹا حصہ دینے کا حکم
صادر فرمایا''۔

اس روایت سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو جب مسئلہ کا حکم کتاب اللہ میں نہ ملتا۔ تو حدیث نبوی کی طرف رجوع فرماتے اور جہاں مسئلہ حقوق کا ہوتا، وہاں بنظر احتیاط گواہ بھی طلب فرماتے اور شہادت کے بعد حدیث کے مطابق فیصلہ صادر فرماتے۔

مسند دارمی میں ہے:

''کان ابوبکر اذا ورد علیہ الخصم نظر فی کتاب اللہ
فان وجد فیہ ما یقضی بینھم قضی وان لم یکن فی
الکتاب وعلم من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی
ذلک سنۃ قضی بہ فان اعیاہ ذلک خرج فسأل
المسلمین'' (دارمی مسند)

''ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا طریقہ یہ تھا کہ جب ان کے سامنے
کوئی مقدمہ پیش ہوتا تو کتاب اللہ میں نظر فرماتے اگر اس میں حکم
پاتے تو اسی کے موافق فیصلہ کرتے اور اگر کتاب اللہ میں اس کے
متعلق حکم نہ ہوتا لیکن رسول اللہ ﷺ سے اس کے بارے میں
کوئی سنت معلوم ہوتی تو اس کے موافق فیصلہ فرماتے اور اگر
حدیث اور سنت میں بھی اس کے متعلق کوئی نہ ملتا تو علماء اسلام سے
رائے اور مشورہ لیتے اور اس کے مطابق فیصلہ فرماتے''۔

اس لیے کہ کتاب وسنت کے بعد درجہ اجماع کا ہے اور اجماع کا اتباع واجب ہے۔ ورنہ ہر شخص کا دین جدا ہوگا بلکہ دین دین نہ رہے گا، بازیچۂ اطفال بن جائے گا۔ جس کا جو جی چاہے گا وہ کتاب وسنت کا مطلب قرار دے گا۔ اور دین کا لوگوں کی خواہش کے مطابق ہو جانا اس سے بڑھ کر کوئی فساد اور فتنہ نہیں۔

"ولو اتبع الحق اھواءھم لفسدت السمٰوٰت والارض ومن فیھن" (المؤمنون:۷۱)

"اگر حق لوگوں کی خواہشات کے تابع ہو جائے تو زمین وآسمان اور جو ان کے درمیان ہے سب خراب ہو جاوے"۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے خلیفہ ہونے کے بعد سب سے پہلے جو خطبہ دیا اس میں یہ فرمایا:

"یا ایھا الناس قد ولیت امرکم ولست بخیرکم ولکن نزل القرآن وسن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم السنن فعلمنا وعلمنا ایھا الناس انما انا متبع ولست بمبتدع فان احسنت فاعینونی وان زغت فقومونی" (ابن سعد بکر، الطبقات الکبریٰ ج۲، ص۱۲۹)

"اے لوگو! میں تمہارا والی بنا دیا گیا ہوں مگر میں تم سے بہتر نہیں لیکن خوب سمجھ لو کہ ہم میں قرآن اترا اور نبی کریم ﷺ نے ہم کو سنتیں اور طریقے سکھائے۔ جو ہم نے جانے اور سیکھے لہٰذا خیر اور بھلائی کتاب اور سنت ہی کے اتباع میں ہے۔ جز این نیست، کہ میں کتاب وسنت کا اتباع کروں گا دین میں کوئی نئی بات نہ نکالوں گا۔ اگر میں حضور ﷺ کے طریقہ پر ٹھیک چلوں تو میرا اتباع کرو اور اگر ذرہ برابر اس سے انحراف کروں تو میری اصلاح کرو"۔

حضور ﷺ کی وفات کے بعد جب اختلاف ہوا کہ حضور ﷺ کو کہاں دفن

کیا جائے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے حضور ﷺ سے سنا کہ جس جگہ اللہ کے نبی کی روح قبض ہوتی ہے اسی جگہ اس کو دفن کیا جاتا ہے"۔ (ترمذی، جامع الترمذی، ج۱: ص ۱۹۸۔ باب فی قتلی احد، ابواب الجنائز۔ ابن ماجہ: سنن ابن ماجہ (۱۶۲۸)، ج۱: ص ۵۲۱۔ باب ذکر وفاتہ ودفنہ صلی اللہ علیہ وسلم، کتاب الجنائز)

حضور ﷺ کی وفات کے بعد جب حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا نے میراث مانگی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کے جواب میں حدیث پیش کی کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ انبیاء کے مال کی میراث تقسیم نہیں ہوتی۔ (ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ج۵: ص ۲۸۹) ایک دو نہیں صدہا اور ہزارہا واقعات ایسے ہیں کہ جن سے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا تمسک بالحدیث (حدیث پر عمل) بدرجہ تواتر ثابت ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ بدرجہ تواتر ثابت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بلا تردد اور تامل اس کو قبول کیا اور کسی نے ذرہ برابر اختلاف نہیں کیا اور کسی وقت کسی کی زبان سے یہ نہیں نکلا کہ اے ابوبکر حدیث تو حجت نہیں تو پھر حدیث سے کیسے حجت قائم کرتے ہو۔ معلوم ہوا کہ حدیث کی حجیت صحابہ میں بالاجماع مسلم تھی۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع دلیل قطعی ہے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی احتیاط

(روایت حدیث میں فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی احتیاط)

یہ تو ہم نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے متعلق ذکر کیا اب ہم حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے متعلق عرض کرتے ہیں کہ وہ روایت حدیث کے بارے میں کس درجہ محتاط تھے۔

حافظ ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:

"فیا اخی ان احببت ان تعرف ھذا الامام حق المعرفۃ فعلیک بکتابی نعم السمر فی سیرۃ عمر فانہ فارق

فیصل بین المسلم والرافضی فواللہ مایبغض من عمر

الاجاهل وبص او رافضی مفاجر واین مثل ابی حفص

فما دارالفلک علی مثل شکل عمر رضی اللہ عنہ

وھو الذی سن للمحدثین التثبت فی النقل او ربما کان

یتوقف فی خبر الواحد اذا ارتاب" (ذہبی، تذکرہ ج ۱ ص ۶)

"اے برادر عزیز اگر تو اس خلیفہ اعظم یعنی عمر رضی اللہ عنہ کو کما حقہ

جاننا اور پہچاننا چاہتا ہے تو میری کتاب (نعم السمر فی سیرۃ عمر)

کا مطالعہ کرو۔ بلاشبہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا وجود مسلمان اور

کافر اور سنی اور رافضی کے درمیان فرق کرنے والا ہے۔ عمر فاروق

رضی اللہ عنہ کی تنقیص سوائے جاہل اور منحرف عن الحق اور بدکار

رافضی کے کوئی کر ہی نہیں سکتا اور دنیا میں عمر جیسا ہے کون۔ فلک

نے عمر جیسے پر حرکت نہیں کی۔ عمر ہی نے محدثین کے لیے نقل میں

تثبت اور روایت میں احتیاط کی سنت جاری کی ہے بعض اوقات

خبر واحد کے بارہ میں اگر کوئی تردد یا شبہ پیش آتا تو اس کے قبول

کرنے میں توقف فرماتے"۔

چنانچہ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ آئے اور تین مرتبہ دروازے کے پیچھے سے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو سلام کیا مگر جب جواب نہ ملا تو واپس ہو گئے۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو علم ہوا تو فوراً بلانے کے لیے قاصد روانہ کیا۔ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ واپس آئے

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا لم رجعت۔ کیوں واپس ہوئے

ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

"سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول اذا

سلم احدکم ثلاثا فلم یجب فلیرجع قال لتاتینی علی

ذلک ببینة او لا فعلن بک فجاء نا ابو موسیٰ منتقعالونه ونحن جلوس فقلنا ما شانک فاخبرنا وقال فهل سمع احد منکم فقلنا نعم کلنا سمعه فارسلوا معه رجلا منهم حتی اتی عمر فاخبره" (حوالہ مذکور)

"میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جب کوئی شخص تین بار سلام کرلے اور اس کو جواب نہ ملے تو واپس چلا جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تم اس پر کوئی گواہ لاؤ ورنہ میں تمہارے ساتھ سخت معاملہ کروں گا۔ صحابہ کہتے ہیں کہ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ہمارے پاس آئے اور ان کے چہرے کا رنگ فق تھا ہم نے پوچھا کیا ہوا، ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے واقعہ بیان کیا اور یہ کہا کہ تم میں سے بھی کسی نے اس حدیث کو حضور ﷺ سے سنا ہے؟ ہم نے کہا کہ ہم میں ہر شخص نے اس حدیث کو حضور ﷺ سے سنا ہے اور ایک آدمی ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ کر دیا جس نے جا کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کی خبر دی"۔

حافظ ذہبی اس واقعہ کو نقل کر کے لکھتے ہیں:

"احب عمر ان یتا کد عنده خبر ابی موسیٰ بقول صاحب اخر ففی هذا دلیل علی ان الخبر اذا رواد ثقتان کان اقوی وارجح مما انفرد به واحد وفی ذلک حض علی تکثیر طرق الحدیث لکیے یرتقی عن درجة الظن الی درجة العلم اذا لواحد یجوز علیه النسیان والوهم ولا یکاد یجوز ذلک علی ثقتین لم یخالفهما احد وقد کان عمر من دجله ان یخطئی الصاحب علی رسول الله ﷺ یامرهم ان یقلوا الروایة عن نبیهم

ﷺ ولئلا يتشاغل الناس بالاحاديث عن حفظ القرآن وقد روى شعبة وغيره عن بيان عن الشعبي عن قرظة بن كعب قال لما سيرنا عمر الى العراق مشى معنا عمر وقال اتدرون لما شيعتكم قالوا نعم مكرمة لنا قال ومع ذلك انكم تاتون على قرية لهم بالقرآن كدوى النحل فلا تصدوهم بالاحاديث فتشغلوهم جودوا القرآن واقلوا الرواية عن رسول الله وانا شريككم فلما قدم قرظة بن كعب قالوا حدثنا فقال نهانا عمر رضي الله عنه". (ذہبی تذکرہ، ج ا، ص ۷)

"حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا منشا یہ تھا کہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی حدیث کسی دوسرے صحابی کی روایت سے مل کر خوب محکم اور پختہ ہو جائے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ جب کسی حدیث کو دو ثقہ راوی روایت کریں تو وہ حدیث اس حدیث سے زیادہ قوی اور راجح ہوتی ہے کہ جس کو فقط ایک راوی روایت کرے۔ نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مقصود یہ تھا کہ لوگوں کو روایت حدیث میں اس طرف مائل کریں جس قدر ممکن ہو حدیث کے طرق کثیرہ اور اسانید متعددہ کو جمع کریں تا کہ روایت درجہ ظن سے ترقی کر کے درجہ علم تک پہنچ جائے اس لیے کہ ایک شخص پر وہم اور نسیان ممکن ہے۔ مگر جب دو ثقہ راوی کہ کوئی ان کی مخالفت اور تردید نہ کرے۔ ان پر خطا اور وہم کا احتمال عادتاً بہت مستبعد ہے نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس سے غایت درجہ خائف رہتے تھے کہ کوئی صحابی رسول اللہ ﷺ کی طرف کوئی غلط بات

منسوب کردے۔ اس لیے صحابہ کو حکم دیتے تھے کہ جہاں تک ممکن ہو آنحضرت ﷺ سے کم روایت کریں نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ بھی اندیشہ رہتا تھا کہ لوگ روایت حدیث میں اتنے مشغول نہ ہو جائیں کہ قرآن سے غافل ہو جائیں۔ (حفظ مراتب ضروری ہے۔ اول قرآن، بعدہ حدیث، حکایت) قرظہ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے جب ہم کو عراق کی طرف روانہ کیا تو بطور مشایعت کچھ دور تک ہمارے ساتھ چلے اور فرمایا کہ معلوم بھی ہے کہ میں کیوں تمہاری مشایعت کے لیے نکلا؟ ہم نے عرض کیا کہ ہماری عزت افزائی کے لیے فرمایا ہاں اس لیے بھی اور اس وجہ سے بھی کہ تم کو یہ جتلا دوں کہ تم ایسے مقام پر جا رہے ہو کہ جہاں کے باشندوں کے قرآن پڑھنے کی آوازیں شہد کی مکھیوں کی طرح گونجتی ہیں۔

تم ان کو احادیث میں لگا کر قرآن سے غافل نہ کرنا قرآن کو خوب اچھی طرح سے پڑھو اور حدیث کی روایت کم کرو میں بھی قلت روایت میں تمہارا شریک ہوں، یعنی میں بھی کم روایت کرتا ہوں قرظہ عراق پہنچے تو لوگوں نے ان سے حدیث بیان کرنے کی درخواست کی۔ قرظہ نے جواب دیا کہ ہم کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منع کیا ہے''۔(۱)

۱۔ فاروق اعظم کے اس فرمان سے بھی منکرین حدیث یہ استنباط کرتے ہیں کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ روایت حدیث کے مخالف تھے حالانکہ العیاذ باللہ یہ بات نہیں ہے بلکہ وہ روایت حدیث میں سخت احتیاط کے قائل تھے کہ جو بات نبی کریم ﷺ سے منسوب کی جا رہی ہے اس میں جھوٹ کا ادنیٰ سا بھی احتمال نہ ہو کیونکہ حضور ﷺ کا ہر فرمان حجت اور قانون ہے۔ دوسرا یہ تصور تھا کہ حدیث کی حجیت و عظمت اپنی جگہ لیکن قرآن کریم کا مقام حدیث سے مقدم اور اعظم ہے۔ ایسا نہ ہو کہ حدیث میں اس قدر مشغولیت ہو جائے کہ اس سے قرآن کی عظمت متاثر ہو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مطلب صاف ظاہر ہے کہ قرآن کریم کی مشغولی کو مقدم رکھو۔ روایت حدیث میں اس درجہ مشغولی نہ ہو کہ قرآن چھوٹ جائے اور حدیث کی روایت میں احتیاط کرنا۔ کثرت سے روایت نہ کرنا بلکہ روایت کم کرنا اس لیے کہ کثرت روایت خلاف احتیاط ہے۔

معاذ اللہ یہ مطلب نہ تھا کہ حدیث نبوی حجت نہیں اور حدیث کی روایت کرنا گناہ ہے۔ ورنہ اگر یہ معنی ہوں تو مطلب یہ ہوگا کہ زیادہ گناہ مت کرنا تھوڑا کرنا اور تھوڑا گناہ کرنے میں میں بھی تمہارا شریک ہوں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا طرز عمل

کتب احادیث، کتب سیر اور تاریخ کے دیکھنے سے یہ حقیقت آفتاب کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا اپنی تمام زندگی یہ طرز عمل رہا کہ کتاب اللہ کے بعد سنت رسول اللہ ﷺ کی طرف رجوع فرماتے اور اگر کتاب وسنت میں وہ مسئلہ نہ ملتا تو صحابہ سے دریافت فرماتے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس بارہ میں کیا فیصلہ فرمایا۔ اگر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا فیصلہ مل جاتا تو پھر وہ فیصلہ فرماتے اور اس سے عدول نہ فرماتے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اتباع کو اپنے لیے باعث سعادت سمجھتے حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ اعلام الموقعین میں لکھتے ہیں۔

”وكان عمر يفعل ذلك فاذا اعياه ان يجد ذلك في كتاب الله والسنة سال هل كان ابوبكر قضى فيه بقضاء فان كان لابي بكر قضاء قضى به والاجمع علماء الناس و استشارهم فاذا اجتمع اليهم على شئي قضى به“ (ابن قیم الجوزی، اعلام الموقعین ج ۱ ص ۷۱)

”حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے جیسا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کرتے تھے کہ اول کتاب اللہ کو دیکھتے پھر حدیث رسول اللہ ﷺ کو لیتے اور اگر کتاب وسنت میں کچھ نہ ملتا تو

دریافت کرتے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس بارے میں کوئی فیصلہ صادر فرمایا ہو تو بتلاؤ۔ اگر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا کوئی فیصلہ مل جاتا تو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اسی کے مطابق فیصلہ صادر فرماتے اور اگر ابوبکر رضی اللہ عنہ کا بھی کوئی فیصلہ نہ ملتا تو علماء صحابہ کو جمع کر کے مشورہ فرماتے جس بات پر ان کی رائے متفق ہو جاتی اس کے موافق فیصلہ فرماتے"۔

معلوم ہوا کہ اہل الرائے کا فیصلہ معتبر اور حجت ہے نیز یہ بھی معلوم ہو گیا کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سنت نبوی کے بعد سنت ابی بکر رضی اللہ عنہ کے اتباع کو اپنے لیے لازم اور ضروری سمجھتے تھے اور ان کے فیصلہ کے بعد کسی اور فیصلہ کی طرف نظر نہیں فرماتے تھے۔ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے فیصلہ کا اتباع تمام صحابہ کرام کے مشورہ سے ہوتا تھا معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نظر میں تنہا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا فیصلہ بھی حجت اور سند تھا۔

غرض یہ کہ اس قسم کے شواہد کتب احادیث اور سیر میں بے شمار ہیں۔ عاقل کے اشارہ کے لیے دو چار نقل کر دیئے ہیں۔

منکرین حدیث بتلائیں

ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کتاب اللہ کے بعد جس سنت کو اپنے لیے مشعل ہدایت اور اس کے اتباع کو موجب سعادت سمجھتے تھے وہ کون سی سنت تھی کیا وہ رسول اللہ ﷺ کی سنت نہ تھی"۔ (۱)

---

(۱) حافظ ابن کثیر نے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ جس کے مطابق فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اس منافق کی گردن اڑا دی تھی جو نبی کریم ﷺ کے فیصلہ پر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے رائے طلب کرنے آیا تھا اور اسی پر یہ آیت نازل ہوئی تھی فلا وربک لا یؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینہم۔ دیکھیے ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ج ۱، ص ۵۲۱۔ حضرت عمر صحابہ کے اتباع کی مثال بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ایک مرتبہ سونے کی انگوٹھی پہنی تو صحابہ نے بھی پہن لی۔ پھر آپ ﷺ نے اسے اتار دیا اور فرمایا: کہ آئندہ میں سونے کی انگوٹھی نہیں پہنوں گا، صحابہ نے بھی اتار دی۔ دیکھیے بخاری، الجامع الصحیح، ج ۹، ص ۱۱۹، کتاب الاعتصام بالسنۃ، باب الاقتداء بافعال النبی ﷺ

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت حدیث میں احتیاط

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی روایت حدیث میں غایت درجہ محتاط تھے۔

حافظ ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں لکھتے ہیں:

"وکان (ای علی کرم اللہ وجہہ) اماما متحریا فی الاخذ بحیث انہ یستحلف من یحدثہ بالحدیث"

(ذہبی۔ تذکرۃ الحفاظ۔ ج ا، ص ۱۰)

"حضرت علی کرم اللہ وجہہ روایت کے قبول کرنے میں اس درجہ محتاط تھے کہ حدیث بیان کرنے والے سے قسم لیا کرتے تھے"۔(۱)

خلاصہ کلام

یہ کہ منکرین حدیث کا یہ کہنا کہ خلفاء راشدین حدیث نبوی کو حجت نہیں سمجھتے تھے، سفید جھوٹ اور صریح بہتان ہے اور دنیا کی تاریخ اس کی تکذیب کرتی ہے۔

امت محمدیہ کے علماء نے رواۃ (راوی کی جمع) کی طرح حضرات صحابہ کے جرح و تعدیل (راویان حدیث سے متعلق تحقیق کے بعد ان کی طرف سے روایت کو قبول کرنا تعدیل۔ اور رد کرنا جرح کہلاتا ہے) پر کبھی کوئی بحث نہیں کی اور بلا کسی تحقیق اور تنقید کے صحابہ کی روایات کو قبول کیا۔ یہ امر حضرات صحابہ کے عادل اور ثقہ ہونے کی دلیل قطعی ہے۔ نیز اگر صحابہ کی عدالت اور ان کی روایت کی صحت اور وثاقت تسلیم نہ کی جائے تو دین اور شریعت عہد نبوت میں منحصر ہو کر رہ جائے گی یعنی جب تک حضور ﷺ دنیا میں رہے اس وقت تک

۱۔ حضرت علیؓ کو جب آپ ﷺ نے یمن کا قاضی بنا کر بھیجا تو آپ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میں کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ اس پر آپ خوش ہوئے۔ امام بخاریؒ کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس تحریری شکل میں ایک مجموعہ حدیث تھا قرآن کریم کے بعد وہ اس مجموعہ حدیث کو سب سے زیادہ عظمت والا سمجھتے تھے۔ دیکھیے: بخاری، الجامع الصحیح، ج ۳ ص ۱۲۱۔ کتاب الجہاد، باب ذمۃ المسلمین

دین اسلام اور شریعت موجود رہی اور آپ کے وصال کے بعد دین اور شریعت سب ختم ہو گئی اس لیے کہ دین اسلام اور شریعت محمدیہ کے راوی صحابہ کرام ہیں اور منکرین حدیث کے نزدیک صحابہ کی روایت حجت اور معتبر نہیں ہے

منکرین حدیث کے نزدیک صحابہ کرام دروغ گو اور ناقابل اعتبار ہیں۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ

☆☆☆☆☆
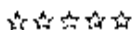
صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا کتابت و تدوین حدیث

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ صحابی رسول اللہ ﷺ ہیں غزوۂ بدر اور دیگر تمام غزوات میں شرکت فرمائی، رسول اللہ ﷺ جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر میں قیام فرمایا، صحابۂ کرام اور تابعین کی ایک جماعت نے ان سے مروی احادیث روایت کی ہیں، آپ سے مروی احادیث کی تعداد ایک سو پچین ہے، غزوۂ قسطنطنیہ کے موقع پر ۵۰ھ میں انتقال فرمایا۔

(الاصابہ ج ۱ ص ۴۰۴ ـ تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۹۰)

یحیٰ بن جابر طائی کی روایت ہے کہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک برادر زادے کو یہ حدیث لکھ کر ارسال کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

> فتوحات کی کثرت ہوگی، اس وقت لوگ جہاد سے بچنا چاہیں گے اور کوئی شخص اپنے آپ کو پیش کرے گا کہ تمہاری طرف سے جہاد کیلئے میں جاتا ہوں یہ شخص (جو معاوضہ لے کر) اپنی قوم کے لوگوں کی طرف سے جہاد میں جائے گا، اپنے خون کے آخری قطرے تک اجیر ہوگا، ایسا مزدور جس نے اپنی اجرت دنیا ہی میں وصول کر لی۔

(مسند احمد بن حنبل ج ۵ ص ۴۱۳)

حضرت ابو بکرہ ثقفی رضی اللہ عنہ

صحابی رسول ہیں ان کے ایمان لانے کا واقعہ بڑا روح پرور ہے، یہ طائف کے سردار کے غلام تھے، رسول اللہ ﷺ دعوتی سفر پر طائف تشریف لے گئے تو یہ طائف کے ایک قلعہ کی دیوار پر چڑھے ہوئے پانی کی چرخی کھینچ رہے تھے اور اسی وجہ سے ان کا نام ابو بکرہ پڑ گیا تھا یعنی چرخی والا، رسول اللہ ﷺ کو دیکھتے ہی دیوار سے کود گئے اور اسلام

قبول کرلیا اور رسول اللہ ﷺ نے آپ کو آزاد فرما دیا، آپ سے کتب حدیث میں ایک سو چھتیس احادیث مروی ہیں، ۵۰ھ میں انتقال فرمایا۔ (تہذیب التہذیب، ج۱، ص ۴۱۸)

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عبدالرحمٰن بن ابی بکرہ جستان میں قاضی تھے، آپ نے صاحبزادے کو یہ حدیث لکھ کر ارسال کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قاضی غصہ کی حالت میں فیصلہ نہ کرے اور ایک ہی معاملے میں دو فیصلے نہ کرے۔ (مسند احمد بن حنبل، ج۵، ص۳۲، سنن الدارقطنی، ج۴، ص۲۰۲)

حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ

حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ صحابی ہیں، ان کا اصل نام ابراہیم ہے، حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے غلام تھے، رسول اللہ ﷺ کو جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے اسلام کی اطلاع ملی تو آپ نے اس خوشی میں ابورافع کو آزاد کردیا تھا، آپ عالم اور فاضل تھے، آپ سے متعدد احادیث مروی ہیں، ۴۰ھ میں انتقال فرمایا۔ حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے احادیث لکھنے کی اجازت طلب فرمائی اور آپ ﷺ نے انہیں لکھنے کی اجازت دے دی۔

ابوبکر بن الحارث کا بیان ہے کہ ابورافع نے مجھے ایک کتاب (تحریر) دی جس میں نبی کریم ﷺ کا نماز کے آغاز کرنے کا عمل مذکور تھا اور یہ کہ جب آپ ﷺ نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو تکبیر کہہ کر یہ آیت تلاوت فرماتے تھے:

إِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْأَرْضَ

حَنِيْفًا وَّ مَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (سیر اعلام النبلاء، ج۲، ص۱۶،

الکفایۃ فی علم الروایۃ، ص۳۳۰)

حضرت ابوریحانہ ازدی رضی اللہ عنہ

حضرت ابوریحانہ کا نام شمعون بن یزید تھا، آپ صحابی ہیں اور آپ رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام تھے، زاہد اور متقی تھے، آپ سے متعدد احادیث مروی ہے دمشق کی فتح

میں موجود تھے، بعد ازاں بیت المقدس میں سکونت اختیار فرمالی تھی، ایک سمندری سفر کے دوران سمندر میں طوفان آگیا تو سمندر کو مخاطب کر کے فرمایا: ٹھہر جا تو بھی میری طرح اللہ کے حکم کا تابع ہے، اس کے بعد طغیانی جاتی رہی۔ (الاصابہ)

حضرت ابو ریحانہ رضی اللہ عنہ کو حدیث رسول ﷺ سے بے حد محبت تھی، یہ تعلق اس قدر شدید تھا کہ سفر کے دوران بھی اپنی کتابیں ساتھ رکھتے اور انہی کے ساتھ اشتغال رہتا تھا، ایک سمندری سفر کے دوران اپنی کتابیں سی رہے تھے کہ سوئی ہاتھ سے پانی میں گر گئی، فرمانے لگے اے پروردگار میری سوئی مجھے واپس مل جائے چنانچہ سوئی پانی کی سطح پر ابھر آئی اور آپ نے اٹھالی۔

حضرت ابو ریحانہ رضی اللہ عنہ کاغذ کے دونوں طرف لکھتے اور پھر لکھے ہوئے کاغذوں کو موڑ کر کتاب کی صورت میں سی لیتے تھے، کتابوں کی طومار کی صورت میں بھی سی لیتے تھے، اور ان میں الٹ پلٹ کر لکھتے، کہتے ہیں کہ کتابت کے یہ طریقے سب سے پہلے انہوں نے اختیار کیے تھے۔

یقین کے ساتھ یہ کہنا دشوار ہے کہ یہ سب کتابیں حدیث ہی کی ہوں گی، البتہ ظن غالب یہی ہے کہ ان میں احادیث بھی ہوں گی کیونکہ صحابہ کرام کا تمام تر اشتغال علمی حدیث ہی سے وابستہ تھا اور ان کے ہاں علم سے مراد علم حدیث ہی ہوتا تھا۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ

صحابی رسول ﷺ ہیں آپ مشاہیر اہل علم میں سے تھے بیشتر اوقات رسول کریم ﷺ کی مجلس میں حاضر رہتے اور حد درجہ شوق اور رغبت سے احادیث سنتے اور انہیں یاد کرتے اور روایت کرتے تھے، آپ ان صحابہ کرام میں سے ہیں جنہیں مکثرین کہا جاتا ہے یعنی جنہوں نے ایک ہزار سے زیادہ احادیث روایت کی ہے، بقی بن مخلد کی مسند کبیر میں آپ کی گیارہ سو ستر روایات مذکور ہیں جن میں سے تینتالیس متفق علیہ ہیں، چھ صرف صحیح بخاری میں مذکور ہیں اور باون صرف صحیح مسلم میں ہیں ۶۳ھ میں انتقال فرمایا۔

(سیر اعلام النبلاء، ج ۳ ص ۱۶۸)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ وہ صحابی ہیں جن سے ممانعت کی یہ مشہور حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

"مجھ سے کچھ نہ لکھو اور جس نے مجھ سے قرآن کے علاوہ کچھ لکھا ہے وہ مٹا دے"۔

ممانعت کتابت کے بارے میں یہ واحد صحیح حدیث ہے اگرچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ حدیث موقوف ہے لیکن ممانعت کی یہ حدیث روایت کرنے کے باوجود حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کا یہ عمل رہا کہ آپ نے متعدد مواقع پر احادیث تحریر کیں، جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ یا تو ان کی روایت کردہ حدیث کسی خاص موقع اور مناسبت کے ساتھ مخصوص تھی یا ممانعت کی حدیث پہلے تھی۔ اور اس کے بعد آپ ﷺ نے اجازت عطا فرمائی چنانچہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو رہا کے متعلق حدیث لکھنے کا ارادہ ظاہر فرمایا اور آپ نے یہ روایت بھی نقل کی کہ صحابہ کرام قرآن کریم بھی لکھتے اور تشہد بھی لکھتے تھے، صاف ظاہر ہے کہ تشہد قرآن نہیں ہے حدیث ہے۔

خطیب بغدادی فرماتے ہیں کہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کا حدیث لکھنا اور یہ روایت کرنا کہ صحابہ حدیث لکھا کرتے تھے اس امر کی دلیل ہے کہ اولاً حدیث کے لکھنے سے اس وجہ سے منع فرمایا گیا تا کہ قرآن میں اور غیر قرآن میں کسی کو اشتباہ نہ ہو، جب یہ اندیشہ جاتا رہا اور قرآن، غیر قرآن سے ممتاز ہو گیا اور حدیث کے لکھے جانے کی ضرورت بڑھ گئی تو آپ ﷺ نے اجازت دی اور صحابہ نے بلا تامل تشہد تحریر کیا اور تشہد اور باقی احادیث میں فرق نہیں کیا جا سکتا کہ سب غیر قرآن ہیں۔ (تقیید العلم، ص ۹۲)

حضرت ابو نضرہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کے سامنے ذکر کیا کہ میں نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے صرف کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے اس طرح کہا کہ ہم انہیں یہ حدیث لکھ کر بھیجیں گے تاکہ وہ تمہیں یہ فتویٰ نہ دیں، قسم بخدا ایک نوجوان رسول اللہ ﷺ کے پاس کھجوریں لے کر آیا۔

آپ نے منع فرمایا کہ پتہ تو نہیں لگتا کہ یہ ہماری زمین کی کھجوریں ہیں، اس تو جوان نے بتایا کہ اس سال ہماری کھجوریں زیادہ اچھی نہیں تھیں، جس نے ان کے بدلے کچھ کھجوریں زیادہ دے کر لے لی ہیں، اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ اضافہ تو ربا ہے، ایسے معاملے کے قریب بھی نہ جاؤ اگر تمہیں اپنی کھجوریں اچھی نہ لگیں تو پہلے انہیں فروخت کرو اور اس قیمت کے بدلے دوسری خرید لو۔ (مسند احمد بن حنبل ۳، ص ۴۰)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ

صحابی رسول ﷺ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ مہاجرین حبشہ میں سے ہیں فتح خیبر کے بعد مدینہ منورہ تشریف لائے حسن الصوت تھے، رسول اللہ ﷺ نے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا: انہیں آل داؤد کے مزامیر عطا ہوئے ہیں۔ ۴۲ھ میں انتقال فرمایا۔ (الاصابہ، ج ۲، ص ۳۵۹)

روایت ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو خط لکھا اور انہیں تحریر کیا کہ آپ اپنے دور کے افضل انسان ہیں، رسول اللہ ﷺ پیشاب کی حاجت کے لئے اس جگہ تشریف لائے جہاں نرم مٹی تھی وہاں آپ ﷺ نے پیشاب کیا اور فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی پیشاب کی ضرورت محسوس کرے تو پہلے اس کی تلاش کرے۔ (مسند احمد بن حنبل، ج ۴، ص ۳۹۶)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ صحابی رسول ہیں، آپ ان اصحاب میں سے ہیں جنہوں نے بیعت عقبہ ثانیہ میں شرکت فرمائی، نیز غزوہ بدر میں شرکت فرمائی، آپ حافظ قرآن تھے اور رسول اللہ ﷺ کو قرآن سنایا تھا، احادیث نبوی بھی بکثرت حفظ فرمائی تھیں، علم و عمل دونوں میں ممتاز تھے، حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابی بن کعب سے فرمایا کہ

"اللہ نے مجھے حکم دیا کہ میں تمہیں قرآن سناؤں" اس پر ابی بن کعب بولے کہ

کیا اللہ سبحانہ نے آپ کو میرا نام لے کر فرمایا ہے، فرمایا: "ہاں" دریافت کیا کیا رب العالمین کے یہاں میرا ذکر ہوا، ارشاد فرمایا: "ہاں"، یہ سن کر ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے"۔

بقی بن مخلد کی مسند میں ان کی چونسٹھ احادیث روایت ہوئی ہیں، جن میں سے تین احادیث متفق علیہ ہیں، تین صرف بخاری میں ہیں اور سات صرف صحیح مسلم میں مذکور ہیں، ۳۰ ھ میں انتقال فرمایا۔ (الاصابہ، ج ۱ ص ۱۹۔ سیر اعلام النبلاء، ج ۲ ص ۱)

حضرت سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ نے ایک موقعہ پر یہ حدیث بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ نماز میں سکوت فرماتے تھے، یہ سن کر عمران بن حصین نے کہا: مجھے رسول اللہ ﷺ کا یہ عمل یاد نہیں ہے، اس پر صحابہ کرام نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو خط تحریر کیا اور ان سے اس مسئلہ کے بارے میں دریافت کیا، جواب میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے تحریر فرمایا کہ حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ نے صحیح یاد رکھا۔ (مسند احمد بن حنبل، ج ۵ ص ۷)

حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ

حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ سابقین اسلام میں سے ہیں اور بیعت عقبہ کے موقعہ پر رسول اللہ ﷺ نے جن اصحاب کو نقیب مقرر کیا تھا ان میں سے ایک تھے، قرآن کریم کی تلاوت بہت خوبصورت آواز کے ساتھ فرماتے تھے، ایک موقعہ پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اسید بن حضیر بہت اچھے آدمی ہیں، صحیحین وغیرہ میں ان سے متعدد احادیث مروی ہیں، ۲۰ ھ میں انتقال ہوا۔ (سیر اعلام النبلاء، ج ۱ ص ۳۴۳۔ الاصابہ، ج ۱ ص ۴۹)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں حضرت اسید بن حضیر یمامہ میں عامل تھے، اس زمانے میں مروان نے انہیں خط لکھا کہ اگر کسی کی کوئی چیز چوری ہو کر بعد میں اگر کہیں فروخت ہو رہی ہو تو وہ قیمت دے کر خریدنے کا زیادہ استحقاق رکھتا ہے، اس پر حضرت اسید بن حضیر نے تحریر کیا کہ

"رسول اللہ ﷺ نے فیصلہ فرمایا کہ اگر فروخت کرنے والے شخص

نے مسروقہ شئے سارق سے خریدی ہو تو اصل مالک کو اختیار ہوگا
چاہے تو قیمت دے کر اس شخص سے خرید لے اور چاہے تو سارق سے
اپنی چیز کی واپسی کا مطالبہ کرے"۔ (مسند احمد بن حنبل، ج ۴، ص ۲۲۲)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ

حضرت براء بن عازب صحابی رسول اللہ ﷺ ہیں متعدد غزوات میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شرکت فرمائی، آپ سے تین سو پانچ احادیث مروی ہیں جن میں سے دو سو بائیس احادیث صحیحین میں ہیں اور صرف صحیح بخاری میں پندرہ اور صرف صحیح مسلم میں چھ مذکور ہیں۔ (الاصابہ، ج ۱، ص ۱۴۶۔ سیر اعلام النبلاء، ج ۳، ص ۱۲۸)

طالبان علم کو حدیث کا درس دیتے تھے اور کثیر تعداد میں طلبہ جمع ہوتے جو بانس کے تراشے ہوئے قلموں سے اپنی ہتھیلیوں پر لکھتے تھے۔ (سنن الدارمی، ج ۱، ص ۱۲۸)

ممکن ہے کہ کاغذ کی عدم دستیابی کی بناء پر ہتھیلی پر لکھتے ہوں یا کاغذ ختم ہو جاتا ہو تو ہتھیلی پر لکھنا شروع کر دیتے ہوں۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ مشہور صحابی رسول ہیں، فرمایا کرتے تھے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہزار مرتبہ سے زیادہ نماز پڑھی ہے۔ صحیح بخاری اور مسلم اور دیگر کتب صحاح میں ان سے مروی ایک سو چھیالیس احادیث مذکور ہیں، ۷۰ ھ میں انتقال فرمایا۔ (الاصابہ، ج ۱، ص ۲۱۲۔ تہذیب التہذیب، ج ۲، ص ۳۹)

حضرت عامر بن سعد کا بیان ہے کہ میں نے اپنے غلام نافع کو خط دے کر حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا اور ان سے عرض کی کہ مجھے کوئی حدیث جو آپ نے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہو لکھ کر بھیج دیجئے، تو انہوں نے جواب میں یہ حدیث لکھ کر بھیجی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "میں حوض پر سب سے پہلے موجود ہوں گا"۔
(صحیح مسلم، ج ۲، ص ۱۸۱)

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا شمار کبار صحابہ میں ہوتا ہے، رمضان ۱۰ھ میں مدینہ منورہ تشریف لائے اور ان کے ہم قوم لوگوں کی ایک جماعت ان کے ساتھ تھی ان کی آمد سے پیشتر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس وادی سے تمہارے پاس یمن کا بہترین شخص آرہا ہے، دیکھا تو حضرت جریر رضی اللہ عنہ اور ان کی قوم کے افراد ہیں، سب نے اسلام قبول کیا، آپ سے سو کے قریب احادیث مروی ہیں، جن میں سے متفق علیہ آٹھ ہیں ایک حدیث صرف صحیح بخاری اور چھ صحیح مسلم میں ہے۔ (الاصابہ، ج ۱ ص ۲۳۲، سیر اعلام النبلاء، ج ۲ ص ۵۳۰)

ابو اسحاق راوی ہیں کہ ارمینیہ کے لشکر میں حضرت جریر بن عبداللہ بھی تھے، اہل قافلہ کے پاس زادِ راہ ختم ہو گیا اور بھوک کی شدت نے ستایا تو حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو انسانوں پر رحم نہیں کرتا اللہ اس پر رحم نہیں کرتا، اس پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں طلب فرمایا وہ آئے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا کیا تم نے یہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ ہاں! یہ سن کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے تمام اہل قافلہ کو بہت سا سامانِ ضرورت عطا فرمایا۔ ابو اسحاق راوی کہتے ہیں کہ اس سامان میں میرے والد کو ایک چادر بھی ملی تھی۔ (مسند احمد بن حنبل، ج ۴ ص ۳۶۱)

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ

حضرت حسن رضی اللہ عنہ سبطِ رسول اللہ ﷺ اور نوجوانانِ جنت کے سردار رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اے اللہ میں حسن سے محبت کرتا ہوں تو بھی اسے اپنا محبوب بنا لے اور اس کو بھی اپنا محبوب بنا جو اس سے محبت رکھے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے خود رسول اللہ ﷺ سے اپنے والد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اور اپنی والدہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے احادیث سنیں اور حفظ کیں، ۴۹ھ میں وفات پائی۔ (الاصابہ، ج

ص ۲۲۸۔ سیر اعلام النبلاء ج ۳ ص ۲۴۵)

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے پاس احادیث کا ایک مجموعہ (صحیفہ) تھا، آپ اپنی اولاد کو احادیث کے قلمبند کرنے کی تاکید فرماتے تھے، بعض اوقات اپنے صاحبزادوں اور برادرزادوں کو فرماتے: ''خوب علم حاصل کرو آج تم چھوٹے ہو کل تم بڑے ہو گے اور جو یاد نہ رکھ سکو اسے لکھ لیا کرو''۔ (الکفایہ فی علم الروایہ ج ۱ ص ۲۹۱)

حضرت رافع بن خدیج انصاری رضی اللہ عنہ

حضرت رافع بن خدیج انصاری صحابیٔ رسول اللہ ﷺ ہیں، غزوۂ اُحد میں شرکت فرمائی، تیر کا زخم آیا جسے کھینچ کر نکال دیا مگر اس کی پھانس اندر رہ گئے اسی زخم سے انتقال ہوا۔ آپ کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں روز قیامت تمہارے حق میں گواہی دوں گا، آپ سے اٹھہتر احادیث مروی ہیں، ۷۴ھ میں انتقال فرمایا۔

(الاصابہ ج ۱ ص ۴۹۵۔ سیر اعلام النبلاء ج ۳ ص ۱۸۱)

حضرت رافع بن خدیج انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس ایک کتاب (تحریر) تھی جس میں اس امر کا بھی بیان تھا کہ مدینہ منورہ بھی حرم ہے، ایک مرتبہ مروان نے اپنے زمانہ خلافت میں خطبہ دیا اور اس میں مکہ کے حرم ہونے کا ذکر کیا (لیکن مدینہ منورہ کا کوئی ذکر نہیں کیا) اس پر حضرت رافع بن خدیج انصاری رضی اللہ عنہ نے اسے پکار کر کہا کہ:

> بے شک مکہ تو حرم ہے لیکن مدینہ بھی حرم ہے، اسے رسول اللہ ﷺ نے حرم قرار دیا ہے، اور مدینہ منورہ کے حرم قرار دیئے جانے کا حکم ہمارے پاس خولانی چمڑے پر لکھا ہوا ہے اگر تم چاہو تو ہم تمہیں پڑھ کر سنا دیں۔

اس پر مروان نے کہا کہ درست ہے ہمیں یہ حدیث پہنچی ہے۔

(مسند احمد بن حنبل ج ۴ ص ۱۴۱)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں، سترہ غزوات میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شرکت فرمائی، کتب حدیث میں ان سے ستر احادیث مروی ہیں، ۶۸ھ میں انتقال فرمایا۔ (الاصابہ ج۱ ص۵۶۰ ۔ الاعلام ج۳ ص۵۶)

نضر بن انس کا بیان ہے کہ واقعہ حرہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کے بیٹے اور ان کی قوم کے بعض افراد مارے گئے تھے، حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے انہیں تعزیتی خط لکھا جس میں انہوں نے تحریر کیا کہ

> میں تمہیں وہ بشارت دیتا ہوں جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں دی ہے، میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اے اللہ انصار کی مغفرت فرما، انصار کی اولاد اور اولاد کی اولاد کی مغفرت فرما، انصار کی عورتوں کی مغفرت فرما، انصار کی اولاد کی عورتوں اور انصار کی اولاد کی اولاد کی عورتوں کی مغفرت فرما۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کے تحریری مجموعہ کی احادیث روایت کی ہیں۔

(مسند احمد بن حنبل ج۴ ص۳۷۰ ۔ تہذیب التہذیب ج۳ ص۳۹۴)

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کبار صحابہ اور کاتبین وحی میں سے ہیں، گیارہ سال کی عمر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہجرت فرمائی، کتاب وسنت کا علم اور دین کا فہم حاصل کیا، جماعت صحابہ میں آپ کو حفظ قرآن، احکام میراث اور قضاء اور فتویٰ میں نمایاں مقام حاصل تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ عہد نبوت میں چار اصحاب نے جمع قرآن کا کام کیا، چاروں انصاری تھے ابی بن کعب، معاذ بن جبل، زید بن ثابت اور ابو زید رضی اللہ عنہم۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جمع و تدوین قرآن کے کام میں ان پر

اعتماد کیا پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں کتابت قرآن کا کام سپرد کیا، رسول اللہ ﷺ سے بانوے احادیث روایت کیں، ۴۵ھ میں انتقال کیا۔ (دلکلا یبنی علم الروایہ ص ۲۰۷)

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ عربی تحریر اور کتابت میں مہارت رکھتے تھے، بعد میں آپ نے رسول اللہ ﷺ کے حکم سے عبرانی زبان اور اس کو لکھنا بھی سیکھ لیا تھا کیونکہ عرب کے یہودی بولتے تو عربی زبان تھے لیکن لکھتے عبرانی خط میں تھے اور آنحضرت ﷺ سے معاہدات اور مراسلات میں اسی خط کو استعمال کرتے تھے، خود حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ

> رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے یہود پر بھروسہ نہیں ہے اور مجھے حکم فرمایا کہ میں یہودیوں کی تحریر سیکھ لوں، میں نے چند روز دن میں اس میں مہارت حاصل کر لی، پھر جب آپ کچھ لکھواتے میں لکھتا اور جب یہودیوں کی کوئی تحریر آپ کے پاس آتی میں آپ کو پڑھ کر سناتا۔

بعد ازاں رسول اللہ ﷺ نے آپ کو سریانی زبان سیکھنے کا حکم دیا تو آپ نے سریانی زبان بھی سیکھ لی، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ عبرانی اور سریانی کے علاوہ فارسی، یونانی، قبطی اور حبشی زبانیں جانتے تھے اور ان زبانوں میں رسول اللہ ﷺ کے مترجم کے فرائض انجام دیتے تھے۔ (سنن الترمذی، باب الاستیذان والآداب، ج ۲ ص ۲۸۷۔ سنن ابی داؤد، باب العلم، ج ۲ ص ۳۱۸۔ المستدرک ج ۱ ص ۷۵۔ مسند امام احمد بن حنبل، ج ۵ ص ۱۸۶)

میراث سے متعلق احادیث احکام کا آپ کو بخوبی علم تھا اور آپ اس شعبہ میں صحابۂ کرام کے درمیان ممتاز تھے اور اکثر صحابۂ کرام آپ سے استفسار کرتے چنانچہ ایک مرتبہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے آپ کو خط لکھا اور دادا کی میراث کے بارے میں سوال کیا، اس کے جواب میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے تحریر فرمایا کہ

> آپ نے مجھ سے دادا کی میراث میں حصہ کے بارے میں پوچھا ہے میراث کا فیصلہ پہلے خلفاء اور امراء کیا کرتے تھے، میں آپ

سے پہلے دونوں خلفاء کے زمانے میں موجود تھا، ان کا فیصلہ تھا کہ ایک بھائی کی موجودگی میں دادا کا نصف ہے، دو بھائیوں کی موجودگی میں تہائی ہے، اور دو سے زائد بھائیوں کی صورت میں بھی تہائی ہے۔ (موطا امام مالک، ج ا ص ۱۰)

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے ایک مجموعۂ حدیث جمع کیا تھا جس میں صرف میراث سے متعلق احادیث جمع تھیں، امام زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر زید بن ثابت میراث کی احادیث جمع نہ کرتے تو یہ علم لوگوں میں باقی نہ رہتا۔
(تاریخ دمشق، ج ۹ ص ۱۲۱)

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ مشہور صحابی رسول ہیں، عہد نبوت میں سلمان الخیر کے نام سے متعارف ہوئے، دین اسلام سے محبت شدید کا یہ عالم تھا کہ اپنے آپ کو سلمان بن اسلام کہتے تھے، غزوۂ خندق میں شرکت فرمائی اور آپ ہی نے خندق کھودنے کا مشورہ دیا۔ عالم فاضل اور زاہد و عابد تھے، ہجرت کے بعد جب رسول اللہ ﷺ نے مہاجرین و انصار میں مؤاخات کا تعلق قائم کیا تو حضرت سلمان فارسی اور ابو الدرداء بھائی بھائی قرار پائے، کھجور کی چھال سے چٹائی بنتے اور اس سے روزی کماتے تھے، ۳۰ھ میں انتقال فرمایا۔

روایت ہے کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے احادیث کا ایک تحریری مجموعہ حضرت ابو الدرداء کو ارسال کیا تھا۔ (الاحادیث الصحیحہ، ج ا ص ۳۱۵)

حضرت ضحاک بن سفیان کلابی رضی اللہ عنہ

حضرت ضحاک بن سفیان کلابی رضی اللہ عنہ صحابی رسول ﷺ ہیں، آپ بہت بہادر تھے، آپ نے رسول اللہ ﷺ کے دربان کے فرائض انجام دیئے، تلوار ہاتھ میں لئے رسول اللہ ﷺ کے پاس کھڑے رہتے۔ (الاصابہ، ج ۲ ص ۲۰۶، الاستیعاب، ج ۲ ص ۲۰۶)

رسول اللہ ﷺ نے حضرت ضحاک کو ان کے ان اہم قوم زاد پر امیر مقرر کیا تھا
جو اسلام لے آئے تھے، ان کے عہد امارت میں اشیم ضبابی قتل ہو گئے تھے، رسول اللہ ﷺ
نے آپ کو فرمان تحریر کیا کہ اشیم ضبابی کو ملنے والی دیت میں ان کی بیوی کو حصہ دیں۔ بعد
ازاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں اس طرح کا واقعہ پیش آیا تو حضرت
ضحاک نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ حدیث لکھ کر بھیجی اور ان کو اس مسئلہ میں رسول اللہ ﷺ
کے حکم سے آگاہ کیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے مطابق عمل فرمایا،
حضرت ضحاک بن سفیان رضی اللہ عنہ احادیث لکھتے تھے، اور کتابت حدیث کا اس قدر
اشتیاق اور اہتمام تھا کہ وسائل کتابت مہیا نہ ہونے کی صورت میں دیوار پر بھی لکھ لیتے
تھے، آپ نے حسین بن علی رضی اللہ عنہما کو حج کے متعلق احادیث قلمبند کرائیں۔

(مسند احمد بن حنبل، ج ۳ ص ۴۵۲ ـ سنن ابن ماجہ، کتاب الدیات، ج ۲ ص ۸۸۳)

ضحاک بن قیس رضی اللہ عنہ

حضرت ضحاک بن قیس رضی اللہ عنہ صغار صحابہ میں سے ہیں، حضرت امام بخاری
رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے صحابی ہونے کی تصریح کی ہے۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب
الکنی میں مذکور ہے کہ آپ نے غزوۂ بدر میں شرکت کی تھی، آپ سے متعدد احادیث مروی
ہیں جن میں سے ایک حدیث سنن نسائی میں مذکور ہے۔ ۶۴ھ میں شہید ہوئے۔

(الاصابہ، ج ۲ ص ۲۰۷ ـ الاستیعاب، ج ۲ ص ۲۰۵)

یزید بن معاویہ کا انتقال ہوا تو حضرت ضحاک بن قیس رضی اللہ عنہ نے
حضرت ہیثم رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ

> السلام علیک ...... اما بعد ...... میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے
> ہوئے سنا کہ قیامت کے فتنے تاریک رات کی طرح چھا جائیں
> گے۔ فتنے ایسے ہوں گے جیسے دھوئیں کے بادل، آدمی کا دل اس
> طرح مردہ ہو جائے گا جیسے اس کا جسم مردہ ہو جاتا ہے، صبح کو مومن
> ہوگا، رشام کو کافر، لوگ تھوڑی سی دنیا کے بدلے دین اور اخلاق

کو فروخت کر دیں گے، یزید بن معاویہ کا انتقال ہو گیا ہے تم
ہمارے بھائی اور حقیقی رشتہ دار ہو اس لئے تم فیصلے میں سبقت نہ
کرو، بلکہ ہمیں موقع دو کہ ہم اپنے حق میں خود فیصلہ کر سکیں۔

(مسند احمد بن حنبل، ج ۳ ص ۴۹۳)

حضرت عبدالرحمٰن بن عائذ رضی اللہ عنہ

حضرت عبدالرحمٰن بن عائذ رضی اللہ عنہ صحابی رسول ﷺ ہیں چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں صحابہ میں ذکر کیا ہے، ان سے کتب حدیث میں دو احادیث مروی ہیں، ابن اشعث کے عروج میں اس کے ساتھ تھے حجاج کے قیدی بنے اور بعد ازاں وفات پائی۔ روایت ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عائذ کے پاس کتابیں تھیں اور حمص کے لوگ ان کتابوں میں مذکور احکام پر عمل کرتے تھے۔

(الاصابہ، ج ۳ ص ۱۰۱، تہذیب التہذیب، ج ۶ ص ۱۸۰)

حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ

حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ صحابی رسول ﷺ ہیں، اہل بیعت رضوان میں سے ہیں، آپ اپنے والد کی زکوٰۃ لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے تو آپ نے دعا دی، اور فرمایا: ''اے اللہ! آل ابی اوفیٰ پر رحم فرما''۔ آپ سے متعدد احادیث مروی ہیں، کوفہ میں انتقال کرنے والے آخری صحابی ہیں، ۸۶ھ میں انتقال فرمایا۔ (سیر اعلام النبلاء، ج ۳ ص ۴۲۸)

سالم ابوالنضر کاتب تھے اور عمر بن عبیداللہ کے آزاد کردہ تھے، ان کا بیان ہے کہ مجھے حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث رسول ﷺ لکھ کر بھیجی کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے آخری ایام میں ایک دن زوال کے بعد کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور فرمایا:

اے لوگو! دشمن سے مقابلہ کی تمنا نہ کرو، اللہ سے عافیت مانگو اور اگر
مقابلے کی نوبت آ جائے تو صبر و استقامت اختیار کرو، اور جان لو کہ

جنت تلواروں کے سائے میں ہے، پھر آپ نے فرمایا: اے اللہ!
اے قرآن کریم نازل کرنے والے، اے بادلوں کو چلانے والے
اور اے دشمن کی جماعتوں کو شکست دینے والے دشمنوں کو شکست
دے اور ہمیں ان پر غالب فرما۔ (صحیح بخاری، ج ۲ ص ۱۲۴، صحیح مسلم،
ج ۳ ص ۳۶۲۔ الکفایۃ فی علم الروایۃ ص ۳۳۶)

ابو حیان راوی ہیں کہ مدینہ منورہ کے ایک معمر شخص نے بیان کیا کہ حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ نے حروریہ (خوارج) سے جہاد کے بارے میں عبید اللہ بن عمر کو خط لکھا جس میں یہ حدیث بھی تھی، عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ کا کاتب میرا دوست تھا، میں نے اس سے کہا کہ اس حدیث کی نقل مجھے بھی دے دو اور اس نے مجھے یہ حدیث لکھ کر دی۔ (مسند احمد بن حنبل، ج ۴ ص ۳۵۴)

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما ہجرت کے ساتھ پیدا ہوئے، ان کی والدہ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما نے انہیں لا کر رسول اللہ ﷺ کی گود میں دیا، آپ ﷺ نے کھجور منگائی اور اسے دہن مبارک میں چبا کر اس پہلے فرزند اسلام کو چبائی یعنی ان کے پیٹ میں سب سے پہلے جو چیز پہنچی وہ رسول اللہ ﷺ کا لعاب دہن تھا۔ کتب احادیث میں ان سے متعلق احادیث مروی ہیں، ۷۳ھ میں انتقال فرمایا۔

(الاصابہ، ج ۲ ص ۳۰۱۔ تہذیب التہذیب، ج ۵ ص ۱۸۹)

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے اپنے زمانہ امارت میں حضرت عبداللہ بن عتبہ بن مسعود کو قاضی مقرر کیا تھا، سعید بن جبیر کا بیان ہے کہ ایک روز میں عبداللہ بن عتبہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ان کے پاس عبداللہ بن زبیر کا مکتوب آیا، وہ مکتوب یہ تھا:

السلام علیکم، اما بعد! تم نے مجھ سے دادا کی میراث کے بارے میں
پوچھا ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اگر میں اللہ کے بعد اس
امت میں کسی کو خلیل بناتا تو ابن ابی قحافہ (حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ)

کو بنا تا لیکن وہ میرے دینی بھائی ہیں اور میرے غار کے ساتھی
ہیں، انہی ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دادا کو باپ کے قائم مقام فرمایا،
اس لئے ہمارے لئے مناسب یہی ہے کہ ہم ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ
کے قول کو اختیار کریں۔ (مسند احمد بن حنبل،ج ۴،ص ۴)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کم سنی ہی کی عمر میں اسلام قبول کر لیا تھا، والد محترم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدینہ ہجرت فرمائی، اہل بیعت رضوان میں سے ہیں، احادیث رسول ﷺ کے عالم تھے، ہر معاملہ میں اسوۂ رسول ﷺ کے اقوال واحوال جاننے کی جستجو میں رہتے اور پھر اس کے مطابق عمل فرماتے۔ رسول اللہ ﷺ کو یاد کرکے بار بار روتے، ہر اس جگہ اہتمام کے ساتھ نماز پڑھتے جہاں کبھی رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھی تھی، مدینہ منورہ کے ان درختوں کو بڑے اہتمام کے ساتھ پانی دیتے جن کے سائے میں رسول اللہ ﷺ کبھی رکے تھے، حضرت عبداللہ بن عمر مکثرین صحابہ میں سے ہیں اور آپ سے ایک ہزار چھ سو تیس احادیث مروی ہیں، جن میں سے ایک سو ستر احادیث متفق علیہ ہیں اور صحیح بخاری میں اکیاسی اور صحیح مسلم میں اکتیس احادیث ہیں، ۷۳ھ میں انتقال فرمایا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما حدیث اور سنت رسول ﷺ کے متبحر عالم تھے، احیائے سنت اور تبلیغ حدیث کے ہر وقت مشتاق رہتے، طالبان علم آپ سے ہر وقت استفادہ کرتے اور آپ کی روایت کردہ احادیث لکھتے بھی تھے، چنانچہ سعید بن جبیر کا بیان ہے کہ میں حضرت عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کے ساتھ اس طرح سفر کرتا کہ میری سواری ان دونوں کی سواری کے درمیان ہوتی، میں دونوں سے احادیث سنتا رہتا اور بعض اوقات کجاوہ کی پشت پر لکھ لیتا اور جب سواری سے اترتا تب وہاں ان احادیث کو لکھتا۔ انہی سعید بن جبیر کا بیان ہے کہ اگر میرے پاس کوئی کتاب ہوتی تو میں اس کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے دریافت کرتا اور جو

وہ فرماتے وہی میرے لئے قول فیصل ہوتا۔ (الشیخ قبل التدوین، ص ۳۵۵۔ تقیید العلم، ص ۱۰۳۔ سیر اعلام النبلاء، ج ۳، ص ۲۲۱)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس کتابیں بھی تھیں اور انہیں علم سے اس قدر شغف تھا کہ بازار بھی جاتے تو جانے سے پہلے کتابوں کا مطالعہ فرماتے۔ نافع کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس ایک مجموعۂ حدیث تھا، حضرت عبداللہ بن معمر فارس کے امیر تھے، انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو خط لکھ اور نماز کے بارے میں استفسار کیا، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ان کے خط کے جواب میں انہیں یہ حدیث لکھی:

رسول اللہ ﷺ گھر سے باہر تشریف لے جاتے تو دوبارہ گھر میں جانے سے پہلے دو رکعت نفل پڑھتے تھے۔

نافع کا بیان ہے کہ شام کے ایک صاحب حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے دوست تھے، یہ صاحب ابن عمر رضی اللہ عنہما کو خط لکھا کرتے تھے، آپ کو ان صاحب کے بارے میں اطلاع ملی کہ تقدیر میں کلام کرتے ہیں، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے انہیں سرزنش اور تنبیہ کا خط لکھا اور انہیں تقدیر کے بارے میں گفتگو سے منع فرمایا نیز لکھا کہ اگر وہ باز نہ آئے تو آپ سے خط و کتابت نہ رکھیں، انہیں تحریر کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ

میری امت میں ایسے لوگ ہوں گے جو تقدیر کا انکار کریں گے۔

عبدالعزیز بن مروان نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو خط لکھا کہ اگر آپ کو کوئی ضرورت ہو تو مجھے بتا دیں، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے انہیں خط کا جواب لکھا اور اس خط کا آغاز حدیث رسول ﷺ سے فرمایا، اس خط کا مضمون یہ ہے:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو تمہارے زیر دست ہیں پہلے ان سے حسن سلوک کرو، اور اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے، میں سمجھتا ہوں کہ اوپر والے ہاتھ سے مراد دینے والا ہاتھ ہے

اور نیچے والے ہاتھ سے مراد لینے والا ہے، میں تم سے کچھ نہیں مانگتا
اور اگر اللہ مجھے تمہارے ذریعے سے رزق پہنچائے تو میں اس کو رد
نہیں کرتا۔ (مسند احمد بن حنبل، ج ۲ ص ۲۹، ۴۵، ۱۰۰)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سابقین اولین میں سے ہیں، غزوۂ بدر میں شرکت کی، پہلے حبشہ اور پھر مدینہ منورہ ہجرت فرمائی، رسول اللہ ﷺ کے بستر اور مسواک کی خدمت سرانجام دیتے تھے، رسول اللہ ﷺ سے متعدد احادیث روایت کیں، چونسٹھ متفق علیہ ہیں، صرف صحیح بخاری میں اکیس اور صرف صحیح مسلم میں پینتیس احادیث ہیں، ۳۲ھ میں انتقال فرمایا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک مجموعۂ احادیث مرتب فرمایا تھا، معن کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عبدالرحمٰن نے مجھے حدیث کی ایک کتاب لاکر دکھائی اور قسم کھا کر بتایا کہ یہ ان کے والد کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے۔

حضرت عمرو بن حزم انصاری رضی اللہ عنہ

حضرت عمرو بن حزم انصاری رضی اللہ عنہ صحابی ہیں، غزوۂ خندق اور اس کے بعد کے غزوات میں شرکت فرمائی، رسول اللہ ﷺ نے انہیں قبیلۂ نجران پر عامل مقرر کیا تھا، اس وقت ان کی عمر سترہ سال تھی، آپ کے فرائض میں قبیلۂ نجران کے افراد کو قرآن کریم کی تعلیم، تفہیم دین اور ان سے صدقات کی وصولیابی تھی، ۱۰۰ھ میں انتقال کیا۔

رسول کریم ﷺ نے ایک جامع دستاویز لکھوائی تھی جس میں میراث، زکوٰۃ اور دیتوں کے احکام مذکور تھے۔ رامہرمزی کی تصنیف المحدث الفاصل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے جاری کردہ احکام و ہدایات عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ نے خود تحریر کئے تھے، اور بعدازاں رسول اکرم ﷺ کو پڑھ کر سنائے تھے، اس دستاویز کی

احادیث محدثین کرام نے اپنی مصنفات میں حسب موقع مختلف مقامات پر روایت کی ہیں، چنانچہ ابوداؤد، صحیح ابن حبان اور سنن دارمی میں یہ احادیث موجود ہیں۔

امام ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ امیر المؤمنین فی الحدیث کے نام سے متعارف ہیں، انہوں نے یہ دستاویز عمرو بن حزم کے پاس دیکھی تھی، یہ کتاب چمڑے کی باریک کی ہوئی جھلیوں پر لکھی ہوئی تھی اور حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کی اولاد میں طویل عرصے تک نسل در نسل محفوظ رہی، حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اپنے دور میں جب احادیث کی سرکاری طور پر جامع تدوین کا ارادہ کیا تو انہوں نے عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کے پوتے ابوبکر بن محمد کو تحریر کیا کہ وہ یہ کتاب نقل کروا کر انہیں ارسال کر دیں، اس طرح حضرت عمر بن عبدالعزیز نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے افراد خاندان کو لکھا کہ ان کا وہ مکتوب نقل کروا کر بھجوا دیں جو رسول اللہ ﷺ نے لکھوایا تھا، اور حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ان کی مزید نقول تیار کرائیں اور اپنے تمام عمال حکومت کو ان دستاویزات کے مطابق عمل کرنے کا حکم دیا، بعد میں جمہور فقہائے امت کا ان دونوں دستاویزات میں مذکور احکام پر کامل اتفاق رہا اور کسی نے کوئی اختلاف نہیں کیا۔

حضرت عمرو بن حزم انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس رسول اللہ ﷺ کی صرف یہ ایک دستاویز نہیں تھی بلکہ ان کے پاس رسول اللہ ﷺ کے متعدد مکاتیب اور مراسلات تھے حتیٰ کہ اس موقعہ کا بھی رسول اللہ ﷺ کا مکتوب تھا جب عمرو بن حزم کے ہاں بیٹا ہوا، اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو اطلاع دی کہ میں نے نومولود کا نام محمد ابوسلیمان رکھا ہے، اس پر رسول اللہ ﷺ نے انہیں مکتوب ارسال فرمایا کہ "اس کا نام محمد اور کنیت ابوعبدالملک رکھ دو"۔

حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ نے ان دستاویزات کو نہ صرف محفوظ رکھا بلکہ ان کے ساتھ اکیس دیگر فرامین نبوی بھی فراہم کیے جو بنی عادیا، بنی عریض کے یہودیوں، تمیم داری، قبائل جہینہ و جذام وطی وثقیف وغیرہ کے نام موسوم تھے اور ان سب دستاویزات کی ایک کتاب مرتب کی، جو عہد نبوی ﷺ کے سیاسی دستاویزات واعظم

ومملکت کے متعلق حضور اکرم ﷺ کے احکام کا اولین مجموعہ تصور کیا جاتا ہے، اس مجموعہ کی جو روایت تیسری صدی ہجری میں دیبل (پاکستان) کے مشہور محدث ابوجعفر دیبلی نے کی ہے، محفوظ ہے اور ہم تک پہنچی ہے اور ابن طولون کی تصنیف اعلام السائلین میں کتب سید المرسلین میں بطور ضمیمہ شامل ہے اور یہ کتاب طبع ہو گئی ہے۔ (صحیفہ ہمام بن منبہ)

حضرت محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ

حضرت محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ صحابی رسول ﷺ ہیں، غزوۂ بدر میں شرکت فرمائی، رسول اللہ ﷺ نے ایک موقعہ پر آپ کو مدینہ منورہ میں اپنا نائب مقرر فرمایا، ۴۳ھ میں انتقال فرمایا۔ (سیر اعلام النبلاء، ج ۲، ص ۳۶۹)

حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ حدیث رسول ﷺ کا بہت اہتمام فرماتے تھے۔ روایت ہے کہ کسی شخص کا انتقال ہو گیا تو میت کی دادی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئی اور مرنے والے کی میراث میں حصہ طلب کیا اس موقعہ پر مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس صورت میں دادی کو چھٹا حصہ عنایت فرمایا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ کیا تمہارے علاوہ بھی کوئی اس میراث سے واقف ہے، محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں اس امر کا گواہ ہوں۔

اسی طرح ایک موقعہ پر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عورت کے اسقاط حمل کی دیت کے بارے میں صحابۂ کرام سے مشورہ کیا اور آپ کے سامنے حدیث بیان کی گئی تو محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے اس کی توثیق کی، حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے پاس ایک کتاب تھی جس میں احادیث تھیں، چنانچہ محمد سعید کا بیان ہے کہ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو ہمیں ان کی تلوار کے پرتلے میں ایک کتاب ملی۔

(السنۃ قبل التدوین، ص ۳۴۴)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ صحابی رسول ﷺ ہیں، بیعت عقبہ میں

شرکت فرمائی، اس وقت نوجوان تھے، جامعین قرآن میں سے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے آپ کے بارے میں فرمایا کہ

انبیاء اور مرسلین کے بعد معاذ بن جبل اگلے پچھلے لوگوں میں سب سے زیادہ جاننے والے ہیں اور اللہ سبحانہ ان کو فرشتوں سے مقابلہ فرماتے ہیں۔

۱۷ھ میں انتقال فرمایا۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے پاس ایک کتاب تھی جس میں رسول اللہ ﷺ کی احادیث تھیں، چنانچہ موسیٰ بن طلحہ کا بیان ہے کہ

ہمارے پاس حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی کتاب تھی جس میں احادیث رسول ﷺ تھیں اور یہ حدیث مذکور تھی کہ رسول اللہ ﷺ گندم، جو، کشمش اور کھجور پر زکوٰۃ لیتے تھے۔ (سیر اعلام النبلاء، ج ا ص ۴۴۳، مسند احمد بن حنبل، ج ا ص ۲۲۸)

حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ کے کاتبین وحی میں سے تھے، اپنے والد سے قبل عمرۃ القضاء کے وقت اسلام لائے اور غزوۂ حنین میں شرکت کی، رسول اللہ ﷺ نے آپ کے حق میں دعا فرمائی:

اے اللہ! انہیں ہادی اور ہدایت یافتہ بنادے اور ان کے ذریعے ہدایت دے۔

مسند بقی بن مخلد میں آپ سے ایک سو تریسٹھ احادیث مروی ہیں، ۶۰ھ میں انتقال فرمایا۔

عبدالرحمٰن بن ھرمز الاعرج کی روایت ہے کہ عباس بن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم نے اپنی بیٹی کا نکاح عبدالرحمٰن الحکم سے کر دیا اور عبدالرحمٰن نے اپنی بیٹی کا نکاح ان سے کر دیا اور دونوں نے اپنی اپنی بیٹی کو دوسرے کے لئے مہر بنا دیا،

حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما اس وقت خلیفہ تھے انہوں نے مروان کو لکھا کہ ان دونوں کے درمیان تفریق کروا دے، اور آپ نے تحریر کیا کہ یہی تو شغار ہے، جس سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ (سیر اعلام النبلاء، ج ۳ ص ۱۱۹۔ مسند احمد بن حنبل، ج ۴ ص ۹۴)

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کبار صحابہ میں سے ہے، بڑے بہادر اور ذہین تھے، کمال ذہانت کی بنا پر مغیرۃ الرائی کے نام سے مشہور تھے، آپ نے ایک سو چھتیس احادیث روایت کی ہیں، جن میں سے صحیحین میں بارہ مذکور ہیں اور دو احادیث صرف صحیح بخاری میں آئی ہیں، ۵۰ ھ میں انتقال فرمایا۔ (سیر اعلام النبلاء، ج ۳ ص ۲۱)

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کے ایک کاتب تھے ان کا وراد تھا، ان کا بیان ہے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے انہیں ایک مراسلہ (کتاب) ملاء کرایا اور یہ تحریر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ارسال کی، اس میں یہ حدیث بھی تھی، رسول اللہ ﷺ ہر نماز کے بعد فرماتے:

لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک و لہ الحمد وھو علی کل شیء قدیر اللھم لا مانع لما أعطیت و لا معطی لما منعت و لا ینفع ذا الجد منک الجد (صحیح البخاری، کتاب الاذان، ج ۱ ص ۱۰۳)

بعد ازاں پھر کسی موقعہ پر حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو یہ خط لکھا:

السلام علیکم، امابعد! میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ سبحانہ نے تین باتوں کو حرام قرار دیا ہے اور تین باتوں سے منع فرمایا ہے۔ جن تین باتوں کو حرام قرار دیا ہے وہ یہ ہیں: والدین کی نافرمانی، لڑکی کو زندہ درگور کرنا اور ناشکری کرنا اور مانگنا۔ اور جن باتوں سے منع فرمایا ہے وہ یہ ہیں: قیل و قال (بحث

و مباحثہ) کثرتِ سوال اور اضاعتِ مال"۔ (صحیح مسلم، کتاب

الاقضیہ، ج ۲، ص ۳۳۴ ۔ الکفایہ فی علم الروایہ، ص ۲۲۷)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کبار صحابہ میں سے ہیں، آپ سے ایک سو چودہ احادیث مروی ہیں، جن میں سے متفق علیہ پانچ ہے اور صحیح بخاری میں ایک اور صحیح مسلم میں چار احادیث مذکور ہیں۔

حسن سے روایت ہے کہ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ نے قیس بن ہیثم کو لکھا کہ:

> تم ہمارے بھائی اور قریب ہو، ہم نے رسول اللہ ﷺ سے احادیث سنیں اور آپ کے واقعات کا مشاہدہ کیا اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت سے پہلے پے در پے فتنے آئیں گے اور تاریک رات کی طرح چھا جائیں گے، ایک شخص صبح کو مومن ہوگا شام کو کافر، لوگ معمولی سی دنیا کی خاطر اپنا اخلاق فروخت کر دیں گے۔ (مسند احمد بن حنبل، ج ۴، ص ۲۷۷)

حضرت واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ

حضرت واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ غزوۂ تبوک سے پہلے اسلام لائے اور اس غزوہ میں شرکت فرمائی۔ ابن سعد کا بیان ہے کہ آپ اہل صفہ میں سے تھے، کتب حدیث میں آپ سے چھتر احادیث مروی ہیں، دمشق میں انتقال کرنے والے سب سے آخری صحابی ہیں، ۸۳ھ میں انتقال فرمایا۔ (تہذیب التہذیب، ج ۱۱، ص ۱۰۰)

حضرت واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ احادیث کی املاء کرتے تھے اور طالبان حدیث لکھا کرتے تھے چنانچہ معروف الخیاط کا بیان ہے کہ:

> میں نے دیکھا کہ واثلہ احادیث املاء کرا رہے ہیں اور طالبان آپ کے سامنے بیٹھے ہوئے لکھ رہے تھے۔ (تقیید العلم، ج ۱، ص ۹۹)

صحابیات کا کتابت وتدوین حدیث

حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا

حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی بہن تھیں، ابو نعیم کہتے ہیں کہ آپ نے دونوں ہجرتیں کیں اور دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ سے خواب کی تعبیر دریافت فرمایا کرتے تھے، ۴۰ھ میں انتقال فرمایا۔ (الاصابہ، ج ۴ ص ۲۳۱۔ الاستیعاب، ج ۴ ص ۲۳۴)

حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کے پاس ایک کتاب تھی جس میں رسول اللہ ﷺ کی احادیث تھیں۔ (السنۃ قبل التدوین، ص ۳۳۶)

حضرت سبیعہ اسلمیہ رضی اللہ عنہا

حضرت سبیعہ بن حارث رضی اللہ عنہا حضرت سعد بن خولہ رضی اللہ عنہ کی اہلیہ تھیں۔ صحیح بخاری، صحیح مسلم اور موطا میں یہ حدیث مذکور ہے کہ حضرت سبیعہ اسلمیہ کے ہاں ان کے شوہر کی وفات کے بعد ولادت ہوئی اور اس ولادت کے ساتھ ان کی عدت ختم ہوئی۔ فقہائے مدینہ اور فقہائے کوفہ نے ان کی اس حدیث کو روایت کیا ہے اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ان سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

تم میں سے جو کوئی مدینہ منورہ میں وفات پا سکے تو یہاں وفات پائے۔ (الاصابہ، ج ۴ ص ۳۱۷۔ تہذیب التہذیب، ج ۱۲ ص ۴۵۳)

عمرو بن عتبہ سے روایت ہے کہ اس نے سبیعہ بنت حارث کو لکھا اور ان سے ان کی عدت ختم ہونے کا واقعہ کے بارے میں دریافت کیا، حضرت سبیعہ نے انہیں جواب لکھا کہ

ان کے شوہر کی وفات کے پچیس دن بعد ان کے یہاں ولادت

ہوگئی اور خیر کی طلب میں تیار ہو گئیں ان کے پاس ابو السنابل بن
بعکک آئے انہوں نے کہا کہ تم نے جلدی کی، طویل مدت کی
عدت گزارو یعنی چار ماہ دس دن، میں رسول اللہ ﷺ کی
خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی کہ اے اللہ کے رسول میرے
لئے استغفار کیجئے، آپ نے پوچھا: کیوں، تو میں نے آپ کو ساری
بات بتلائی، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر نیک شوہر ملے تو نکاح
کرلو۔ (سنن ابن ماجہ، کتاب الطلاق، ج ا، ص ۲۰۲)

حضرت عائشہ بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا رسول کریم ﷺ کے محبوب دوست اور ساتھی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی تھیں، کل اٹھارہ افراد اسلام لائے تھے کہ آپ نے کم سنی میں اسلام قبول کرلیا تھا، رسول اللہ ﷺ آپ سے بہت محبت فرماتے تھے، کسی نے آپ سے دریافت کیا یا رسول اللہ! کون شخص آپ کو زیادہ محبوب ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: عائشہ، سوال کرنے والے نے عرض کی یا رسول اللہ! میری مراد مردوں سے تھی، آپ نے فرمایا: عائشہ کے والد۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بہت ذہین اور عقلمند خاتون تھیں، آپ کو حدیث رسول ﷺ سیکھنے کا بہت شوق تھا، بکثرت احادیث روایت کی ہے اور صحابہ کرام اور تابعین نے بکثرت آپ سے روایات نقل کی ہیں، آپ اس قدر عالمہ اور فاضلہ تھیں کہ اکابر صحابہ آپ سے مسائل دریافت کرتے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ ﷺ کی دو ہزار دو سو دس احادیث مروی ہیں، جن میں سے ایک سو چوہتر متفق علیہ ہیں، چون صرف صحیح بخاری میں اور اڑسٹھ صرف صحیح مسلم میں ہیں۔ ۵۸ھ میں انتقال فرمایا، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ (تہذیب الاسماء واللغات، ج ۲، ص ۳۵۰۔ تہذیب التہذیب، ج ۱۲، ص ۴۳۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور کتابت حدیث

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے بکثرت علم نبوت حاصل کیا تھا یہی وجہ تھی کہ بکثرت صحابہ کرام آپ کی طرف رجوع کرتے تھے، آپ سے علم نبوت سیکھتے، احادیث رسول ﷺ سیکھتے اور بعض اوقات احادیث قلمبند بھی کرتے تھے،

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما آپ کے خاص تلامذہ میں سے ہیں، ان کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ بیٹے میں نے سنا ہے کہ آپ مجھ سے جو احادیث سنتے ہیں وہ لکھ لیتے ہیں، پھر دوبارہ گھر جا کر لکھتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟ میں نے عرض کیا کہ پہلے جو احادیث آپ سے سنتا ہوں وہ لکھ لیتا ہوں، پھر جب گھر جاتا ہوں اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے وہی حدیث سنتا ہوں تو انہیں بھی لکھ لیتا ہوں۔ یہ سن کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دریافت کیا: کیا ان احادیث میں جو مجھ سے سنتے ہو اور پھر جب انہیں دوسرے صحابہ سے سنتے ہو، معنی میں کوئی فرق معلوم ہوتا ہے، میں نے عرض کی کہ معنی میں کوئی فرق نہیں ہوتا، تو آپ نے فرمایا: لکھا کرو کوئی حرج نہیں ہے۔ (الکفایۃ فی علم الروایۃ، ص ۲۰۵)

زیاد بن سفیان نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو لکھا اور دریافت کیا کہ کیا وہ حاجی جس نے ہدی جانور روانہ کیا ہو اس پر وہ امور حرام ہو جاتے ہیں جو حاجی پر حرام ہوتے ہیں یہاں تک کہ وہ قربانی سے فارغ ہو جائے جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ کا فتویٰ ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اسے جواب میں تحریر کیا: اللہ کے رسول نے اللہ کی حلال کی ہوئی کوئی شے حرام قرار نہیں دی یہاں تک کہ آپ قربانی سے فارغ ہو گئے۔

(المحدث الفاصل بین الراوی والواعی، ص ۳۱۹)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے روایت کیا ہے کہ

رسول اللہ ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بلوایا، ہم سب (ازواج مطہرات) نے جب رسول اللہ ﷺ کو دیکھا تو ہم

سب جمع ہو گئے، آخری بات جو رسول اللہ ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے فرمائی وہ یہ تھی کہ آپ نے ان کے شانے پر ہاتھ رکھا اور فرمایا: اے عثمان! قریب ہے کہ اللہ سبحانہ تمہیں قمیص پہنائیں گے اور منافق اس کو اتارنا چاہیں گے تو تم اس کو نہ اتارنا یہاں تک کہ تم مجھ سے ملاقات کرو (یہ بات آپ نے تین مرتبہ فرمائی)، میں نے یہ سن کر کہا کہ ام المومنین آپ نے پہلے یہ حدیث نہیں سنائی، کہنے لگیں میں بھول گئی اور قسم بخدا مجھے بالکل یاد نہ آئی، بعد ازاں میں نے یہ بات حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے ذکر کی، حضرت معاویہ مطمئن نہ ہوئے اور انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو لکھا کہ مجھے یہ حدیث لکھ کر بھیج دیں جس کے جواب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو یہ حدیث لکھ کر ارسال کی۔ (الاصابہ، ج۸، ص۲۶۱۔ سیر اعلام النبلاء، ج۲، ص۳۲۶)

حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا

حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا حضرت ضحاک بن قیس رضی اللہ عنہ کی بڑی بہن تھیں، اولین ہجرت کرنے والی خواتین میں سے ہیں، بے حد خوبصورت اور عقلمند خاتون تھیں، جساسہ واقعہ کی مفصل حدیث انہی کی روایت کردہ ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد شوریٰ کا اجلاس انہی کے گھر ہوا تھا، ۵۰ھ میں انتقال فرمایا۔

(الاصابہ، ج۸، ص۲۸۴)

حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا ابو بکر بن حفص کے نکاح میں تھیں اور انہوں نے انہیں طلاق دے دی تھی، انہوں نے شوہر کے گھر والوں سے نفقہ کا مطالبہ کیا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تمہیں نفقہ نہیں ملے گا بس تمہارے اوپر عدت گزارنا ہے، بعد ازاں حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا نے یہ حدیث روایت کی اور املاء کرائی اور

ان کے منہ سے یہ حدیث حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے سنی اور سن کر مکمل حدیث لکھ لی۔ ابوسلمہ نے حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے روایت کیا اور واقعہ کیا کہ میں نے یہ تمام حدیث حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے منہ سے سن کر لکھی انہوں نے بیان کیا۔

وہ بنی مخزوم کے ایک شخص کے نکاح میں تھیں انہوں نے مجھے البتہ طلاق دے دی، میں نے ان کے اہل خانہ کے پاس پیغام بھیجا کہ مجھے نفقہ دو، انہوں نے کہا کہ ہمارے ذمہ تمہارا نفقہ نہیں ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ان کے ذمے نفقہ نہیں ہیں بس تمہارے اوپر عدت گزارنا لازم ہے، تم ام شریک کے گھر منتقل ہو جاؤ اور اپنا خیال رکھو، بعد ازاں جب یہ بات سامنے آئی کہ مہاجرین اولین میں سے ام شریک کے بھائی ان کے پاس آتے ہیں تو آپ ﷺ نے مجھے فرمایا کہ تم ابن کلثوم کے یہاں منتقل ہو جاؤ وہ نابینا ہیں اگر تم چادر اتاردو تو وہ نہ دیکھیں گے، جب میری عدت پوری ہوگئی تو مجھے معاویہ اور ابوجہم بن حذیفہ نے پیغام دیا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: معاویہ کا خاندان زیادہ ہے اور ان کے پاس مال نہیں ہے اور ابوجہم ایسے شخص ہیں جو لاٹھی کاندھے سے نہیں اتارتے (یعنی بیویوں سے اچھا سلوک نہیں ہے) اسامہ بن زید کے بارے میں کیا خیال ہے؟ میرے گھر والوں نے اسامہ سے رشتہ کو پسند نہیں کیا لیکن میں نے کہا کہ میں اسی سے نکاح کروں گی جس سے رسول اللہ ﷺ نکاح کے لئے فرمائیں گے چنانچہ میں نے اسامہ بن زید سے نکاح کر لیا۔ (صحیح مسلم، ج ۲ ص ۱۱۱۹، مسند احمد بن حنبل، ج ۲ ص ۴۱۲)

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت محمد ﷺ

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جنت میں خواتین عالم کی سردار ہیں،

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے روایت کیا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے مجھ سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے رازداری سے مجھے بتایا کہ جبریل ہر سال ایک مرتبہ مجھ سے قرآن سنتے ہیں، اس سال دو مرتبہ سنا ہے، میں اس سے یہ سمجھا ہوں کہ میرا وقت آ گیا ہے اور تم سب سے پہلے آ کر مجھ سے ملو گی تو میں تمہارے لئے اچھا ہوں کہ میں وہاں پہنچوں گا یہ سن کر میں رونے لگی، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تمہیں یہ پسند نہیں کہ تم اس امت کی تمام عورتوں کی سردار ہو یا آپ نے فرمایا کہ تم جہانوں کی عورتوں کی سردار ہو، یہ سن کر میں ہنس پڑی۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے اٹھارہ احادیث مروی ہیں، ۱۱ھ میں انتقال فرمایا۔ (الاصابہ، ج ۴، ص ۳۶۵۔ الاستیعاب، ج ۴، ص ۳۶۲)

روایت ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ایک مجموعہ میں احادیث لکھی تھیں، چنانچہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے محمد بن علی رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ وہ انہیں یہ احادیث نقل کر کے ارسال کریں اور جو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے وصیت کی تھی وہ بھی ارسال کریں، چنانچہ محمد بن علی رضی اللہ عنہما نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا مجموعہ احادیث اور ان کا وصیت نامہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کو ارسال کر دیا۔ (مسند احمد بن حنبل، ج ۳، ص ۲۵۳، ج ۲، ص ۱۲۱)

دوسرا باب
عہد رسالت صلی اللہ علیہ وسلم
میں
تحریر شدہ صحیفے

تدوین حدیث کی ضرورت

حجیت حدیث کا تقاضا تھا کہ حدیث مدون کی جائے اسے محفوظ کیا جائے۔ اس کے مطالب کھلے کھلے رکھے جائیں۔ اس سے استنباط کے چشمے پھوٹیں اور ان سے اجتہاد کی راہیں بھی معلوم ہوں۔ دین اسلام اولاد آدم پر خدا کی آخری حجت اور شریعت محمدی ﷺ بنی نوع انسان کے لیے آخری شریعت ہے تو اس دین و شریعت کا قیامت تک کے لیے باقی رہنا بھی ضروری ہے۔ پس لازم تھا کہ جوں جوں یہ تقاضا شدید ہوتا جائے۔ تدوین حدیث کے عملی اسباب سامنے آتے جائیں اور حدیث جمع ہوتی جائے۔

قرآن کریم کے لکھا جانے سے یہ بات از خود ظاہر ہے کہ علم کی پوری حفاظت لکھے جانے سے ہی ہوتی ہے۔ آنحضرت ﷺ پر جب کوئی آیت اترتی تو آپ کاتب کو بلا کر ارشاد فرماتے کہ یہ آیت فلاں سورت میں فلاں مقام پر لکھو۔ قرآن کریم اسی ترتیب سے پڑھا جاتا اور لکھا جاتا تھا جس ترتیب سے حضور ﷺ اس کے لکھنے کی ہدایت فرماتے قرآن کریم کی تحریرات نے تحریر حدیث کی فکر بھی پیدا کر دی تھی۔ اگر چہ حضور اکرم ﷺ کی زندگی کا ہر مرحلہ آپ کا ہر ارشاد اور آپ کی ہر ادا حدیث تھی۔ تاہم ان دنوں اندیشہ تھا کہ تحریر حدیث کے اہتمام میں کہیں تحریر قرآن دب کر نہ رہ جائے اور ہو سکتا تھا۔ کہ ایسے حالات میں جب کہ عرب ابھی ابھی جاہلیت سے نکلے ہیں تعلیم و تعلم کا عام رواج نہیں تحریرات قرآن اور تحریرات حدیث آپس میں کہیں خلط ملط نہ ہو جائیں اور کہیں ایسا نہ ہو کہ تحریرات قرآن کی طرح تحریرات حدیث کی بھی عبادت کے طور پر تلاوت ہونے لگے۔ جو مصلحت کا تقاضا تھا کہ تحریر قرآن کے دور تک تحریر حدیث پر عام حلقوں میں پابندی رہے۔ صرف انہی حضرات کو اجازت ہو جو ان حدود و فروق میں پورے طور پر محتاط رہیں علم کی حدود اور رازدان کو پہچانتے ہوں اور انہیں محفوظ رکھنے کا پورا اہتمام ملحوظ رکھ سکیں۔

اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کہ جب حدیث اسلام میں قانونی طور پر حجت ہے۔ تو اسے محفوظ بھی ہونا چاہیے تھا اور دیگر مصالح کتنی ہی کیوں نہ ہوں اصولاً تحریر حدیث کی اجازت ہونی چاہیے تھی۔ عمومی اجازت نہ سہی لیکن جن صحابہ کے علمی حلقوں میں ان

تحریرات کے خلط ملط ہونے کا اندیشہ نہ ہوا تھیں تحریر حدیث کی اجازت دی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ تحریر قرآن کے دور تک تحریر حدیث پر پابندی ہونے کے باوجود یہ تقاضا اصولاً باقی رہا اور اس احساس کے تحت بعض صحابہ نے حضور ﷺ سے تحریر حدیث کی اجازت بھی مانگی اور آپ نے انہیں یہ اجازت مرحمت فرمائی۔

کتابت حدیث کی ممانعت اور اس کے جواز کی احادیث

اولاً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی توجہ کا مرکز قرآن کریم رہا چنانچہ قرآن کریم یاد کرتے اس کو سمجھتے اس پر غور و فکر کرتے اور اس کے احکام پر عمل کرتے، گویا قرآن کریم کا علم اور اس پر عمل ساتھ ساتھ تھا۔ صاف ظاہر ہے کہ یہ خود رسول اللہ ﷺ کی راہنمائی اور نگرانی میں تھا اور یہ راہنمائی اور توجیہ تقاضائے وقت اور حکمت و مصلحت کے عین مطابق اور اس وقت کی صحابہ کرام کی جماعت کی ضرورتوں کے موافق تھی، چونکہ اس وقت مقصود یہی تھا کہ قرآن کریم ہی تمام تر توجہات کا مرکز ہو، اس لئے رسول اللہ ﷺ نے اس نزول وحی کے اولین دور میں حدیث لکھنے سے منع فرمایا تھا تا کہ رسول اللہ ﷺ کے فرمودات اور آپ کی بیان کردہ آیت قرآن کی تشریحات قرآنی آیات سے ملتبس نہ ہو جائیں چنانچہ امام خطابی (حمد بن محمد خطابی (متوفی ۳۸۸ھ) فقیہ اور محدث سنن ابو داؤد کی شرح معالم السنن انہی کی تالیف ہے (الاعلام، ج ۲ ص ۲۷۳)) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

> رسول کریم ﷺ نے ایک ہی صحیفہ پر قرآن کے ساتھ حدیث لکھنے سے منع فرمایا تھا کہ قرآن کی آیات اور احادیث باہم اس طرح نہ مل جائیں کہ بعد میں کسی قاری کو شبہ پیدا ہو جائے جہاں تک نفس تحریر کا تعلق تھا وہ ممنوع قرار نہیں دی گئی تھی۔ (معالم السنن، ج ۴ ص ۱۸۴)

امام محمد بن قتیبہ کہتے ہیں کہ حدیث کے لکھنے کی ممانعت اولین دور میں ہوئی لیکن جب احادیث کی کثرت کی بناء پر ان کا حفظ دشوار ہوا تو احادیث کے لکھنے کی اجازت دے دی گئی۔ (التراتیب الاداریہ، ج ۲ ص ۲۴۸)

ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ نے اولاً یہ ارادہ فرمایا کہ صحابہ کرام قرآن حفظ کریں لیکن جب آپ ﷺ نے دیکھا کہ احادیث کی کثرت ہوگئی ہے اور تمام احادیث کا یاد کرنا دشوار ہے تو آپ ﷺ نے احادیث لکھنے کی اجازت دے دی۔ (التراتیب الاداریہ، ج ۲ص ۲۴۸)

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

بظاہر ممانعت کتابت حدیث کا مقصود حاصل ہو گیا اور معلوم ہو گیا کہ قرآن کریم کے کسی اور کلام سے التباس کا شبہ باقی نہیں رہا تو احادیث کے لکھنے کی اجازت دے دی گئی۔ (سیر اعلام النبلاء، ج ۳ص ۸۰)

ممانعت کتابت کی حدیث حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور صحیح مسلم میں ہے۔ حدیث کے لکھنے کی ممانعت کے متعلق یہ واحد صحیح حدیث ہے جب بعض دیگر آثار بھی ممانعت کتابت حدیث کے بارے میں موجود ہیں لیکن ان میں سے کوئی بھی محدثین کے نقد و جرح سے خالی نہیں ہے اس لئے ہم یہاں صرف اس حدیث کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی ممانعت کتابت کے بارے میں حدیث صحیح مسلم میں موجود ہے اور وہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

مجھ سے کچھ نہ لکھو، اگر کسی نے علاوہ قرآن کچھ لکھا ہے وہ مٹا دے، بے شک مجھ سے جو سنو وہ زبانی یاد کرو اس میں کوئی حرج نہیں ہے جس نے عمداً مجھ پر جھوٹ باندھا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے۔ (صحیح مسلم بشرح النووی، باب التثبت فی الحدیث، ج ۸، ص ۱۲۹ و سنن الدارمی، ج ۱، ص ۱۱۹)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے یعنی اس کی سند رسول اللہ ﷺ تک نہیں پہنچی، بہرحال اگر حدیث موقوف نہ ہو بلکہ مرفوع ہو تب بھی اس کا تعلق نزول وحی کے اولین دور سے ہے جیسا کہ بیان ہو

چکا ہے لیکن جب قرآن کریم کا اکثر حصہ نازل ہو چکا اور اکثر صحابہ نے قرآن حفظ کر لیا اور قرآن کے اسلوب اور طرز سے بخوبی آشنا ہو گئے اس حد تک کہ انہیں پوری طرح علم ہو گیا کہ کلامِ الٰہی اور کلام نبوت میں اسلوب بیان اور طرز تعبیر کا کیا فرق ہے اور اس بات کا کوئی اندیشہ باقی نہیں رہا کہ کسی کو قرآن کی آیت اور حدیث کی عبارت میں کوئی اشتباہ پیدا ہو گا تو رسول کریم ﷺ نے حدیث کے لکھنے کی اجازت دے دی۔

کتابت حدیث کی ممانعت کے بارے میں وارد حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے واحد صحیح حدیث ذکر کرنے کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان صحیح احادیث کو ذکر کیا جائے جن سے نہ صرف احادیث لکھنے کی اجازت ثابت ہوتی ہے بلکہ حکم ثابت ہوتا ہے، یہ احادیث صحیح بھی ہیں اور متعدد ہیں اور اس امر کا مسلم ثبوت ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے احادیث کے لکھنے کا حکم فرمایا اور متعدد صحابہ کرام آپ ﷺ کی ہدایت کے تحت احادیث کو ضبط تحریر میں لائے۔

پہلی حدیث

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ''علم کو ضبط (قید) کرو'' میں نے کہا کہ ضبط کا کیا طریقہ ہے؟ فرمایا: ''لکھ لو''۔ (المستدرک، ج ۱ص ۱۰۴۔ مجمع الزوائد، ج ۱ص ۱۵۲۔ جامع بیان العلم وفضلہ، ج ۱ص ۷۳)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''لکھ کر علم کو ضبط کر لو''۔ (جامع بیان العلم، ص ۷۱۔ تقیید العلم، ص ۹۰)

رسول کریم ﷺ کو جوامع کلم عطا ہوئے تھے یہ حدیث بھی جوامع کلم میں سے ہے، اسی وجہ سے یہ مختصر تر وسیع معنی کا حامل فقرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زبان سے جاری ہو گیا چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ لکھ کر علم ضبط کر لو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ علم کو لکھ کر ضبط کر لو۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ علم کو لکھ کر ضبط کر لو۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ نے مال اور اولاد میں برکت کی دعا

دی اور جنت کی بشارت دی، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ دو تو پوری ہو گئیں تیسری کا انتظار ہے، یہی حضرت انس رضی اللہ عنہ ہیں جو اپنے بیٹوں کو فرمایا کرتے تھے:

اے میرے بیٹو! علم کو لکھ کر ضبط کر لو۔ (جامع بیان العلم وفضلہ ص ۷۱۔ تقیید العلم ص ۹۰)

دوسری حدیث

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ:

ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں بیٹھا کرتا تھا اور آپ ﷺ کی احادیث سنا کرتا تھا، اسے فرمودات نبوت بہت بھلے لگتے مگر یاد نہ رکھ پاتا، اس نے اپنے سوء حفظ کا رسول اللہ ﷺ سے شکوہ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اپنے سیدھے ہاتھ سے مدد لو، اور اشارہ فرمایا کہ لکھ لیا کرو۔ (تحفۃ الاحوذی بشرح الجامع الترمذی، ج ۷ ص ۴۲۸)

تیسری حدیث

وھب بن منبہ اپنے بھائی سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ

اصحاب رسول ﷺ میں سے کوئی مجھ سے زیادہ احادیث بیان کرنے والا نہیں ہے سوائے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے کیونکہ وہ لکھ لیا کرتے تھے اور میں لکھتا نہ تھا۔ (صحیح البخاری، ج ۱ ص ۲۱۔ مسند الامام احمد بن حنبل، ج ۲ ص ۲۴۸۔ سنن الدارمی، ج ۱ ص ۱۲۰)

ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ

اصحاب رسول ﷺ میں سے کوئی مجھ سے زیادہ احادیث رسول ﷺ کا جاننے والا نہ تھا سوائے عبداللہ بن عمرو کے کہ وہ ہاتھ سے لکھتے بھی تھے اور دل سے یاد بھی کرتے تھے جب کہ میں اپنے قلب میں

محفوظ رکھتا اور لکھتا نہ تھا۔ عبداللہ بن عمرو نے رسول اللہ ﷺ سے لکھنے کی اجازت طلب کی تھی اور آپ ﷺ نے انہیں اجازت دے دی تھی۔ (فتح الباری، ج ۱ ص ۱۵۸۔ مسند امام احمد بن حنبل، ج ۲ ص ۴۰۳۔ تقیید العلم، ص ۸۴)

چوتھی حدیث

ابونعیم نے روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو نے فرمایا کہ

میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی کہ میں آپ ﷺ کی احادیث سنتا ہوں کیا میں لکھ لیا کروں آپ ﷺ نے فرمایا ہاں۔ اس اجازت کے بعد جو میں نے پہلی حدیث لکھی وہ آپ ﷺ کا مکتوب تھا جو آپ ﷺ نے اہل مکہ کو لکھا تھا۔ (التراتیب الاداریہ ج ۲ ص ۲۴۴)۔

پانچویں حدیث

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ:

ہم کچھ اصحاب رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں حاضر تھے میں بھی تھا اور میں ان میں سب سے چھوٹا تھا۔ رسول کریم ﷺ نے اس مجلس میں ارشاد فرمایا کہ جس نے میرے اوپر جھوٹ باندھا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔ جب ہم مجلس سے باہر آئے تو میں نے کہا کہ آپ رسول اللہ ﷺ کی احادیث بیان کرتے ہیں اور آپ نے ابھی سن لیا ہے جو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ حضرت ہنسے اور کہا اے بھتیجے جو ہم سنتے ہیں وہ ہم اپنے پاس تحریر کر لیتے ہیں۔

(التراتیب الاداریہ، ج ۲ ص ۲۴۴)

چھٹی حدیث

جب حکم الٰہی سے مکہ مکرمہ فتح ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ نے اس موقع پر ایک بلیغ خطبہ دیا یہ خطبہ سن کر یمن کے ابوشاہ نامی ایک شخص کھڑے ہو گئے اور عرض کیا کہ یہ خطبہ انہیں لکھ دیا جائے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابوشاہ کے لئے لکھ دو۔ (مسند احمد بن حنبل، ج ۲ ص ۲۳۵۔ تقیید العلم، ص ۸۶۔ جامع بیان العلم وفضلہ، ص ۲۸)

امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابوشاہ کو یہ خطبہ لکھ کر دیا گیا جو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا تھا۔ (تقیید العلم، ص ۸۶)

ساتویں حدیث

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم آپ سے احادیث سنتے ہیں کیا ہم انہیں لکھ لیا کریں، آپ ﷺ نے فرمایا: کوئی حرج نہیں لکھ لیا کرو۔

(مسند احمد بن حنبل، ج ۴ ص ۲۱۵۔ مجمع الزوائد، ج ۱ ص ۱۰۱۔ تقیید العلم، ص ۷۲)

آٹھویں حدیث

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

انہوں نے بیان کیا کہ ہر وہ بات جو رسول اللہ ﷺ کے دہن مبارک سے نکلتی تھی میں لکھ لیا کرتا تھا میری نیت یاد کرنے کی ہوتی تھی، قریش کے بعض اصحاب نے مجھے منع کیا اور کہا تم ہر وہ بات جو رسول اللہ ﷺ سے سنتے ہو لکھ لیتے ہو، اللہ کے رسول انسان ہیں کسی وقت آپ ﷺ کی گفتگو حالت رضا میں ہے اور کسی وقت کوئی بات ناراضگی کی حالت میں، یہ سن کر میں رک گیا اور میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ بات ذکر کی، آپ ﷺ نے اپنی انگلی

سے اپنے منھ کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا کہ لکھا کرو، قسم ہے اس
ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے اس منھ سے حق کے سوا
کوئی بات نہیں نکلتی۔ (سنن الدارمی، باب من رخص فی کتابۃ العلم، ج ا
ص ۱۲۵۔ مسند احمد بن حنبل، ج ۲ ص ۱۶۲۔ المستدرک، ج ا ص ۱۰۴۔ جامع بیان
العلم وفضلہ، ص ۶۹)

حاکم مستدرک میں اس حدیث کی روایت کے بعد کہتے ہیں کہ اس حدیث کی سند
صحیح ہے اور یہ رسول اللہ ﷺ کی احادیث لکھے جانے کے بارے میں اصل دلیل
ہے۔ (المستدرک، ج ا ص ۱۰۵)

نویں حدیث

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے
پاس آئے اور عرض کی یا رسول اللہ! میں چاہتا ہوں کہ آپ ﷺ سے احادیث روایت
کروں، میں چاہتا ہوں کہ جس طرح میں آپ کے فرمودات دل میں یاد رکھتا ہوں اسی
طرح لکھ بھی لیا کروں، آپ ﷺ نے فرمایا:

اگر میری حدیث ہو تو تم دل میں یاد کرنے کے ساتھ لکھ بھی لیا
کرو۔ (سنن الدارمی، ج ا ص ۱۲۶)

عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ دادا (عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ) سے
روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی: میں آپ سے جو کچھ سنتا
ہوں وہ لکھ لیا کروں، آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، میں نے پوچھا: خواہ رضامندی کی
حالت میں ہو یا ناراضگی کی، فرمایا: ہاں کیونکہ مجھے مناسب نہیں ہے کہ حق کے سوا کوئی
بات کہوں۔ (مسند احمد بن حنبل، ج ۲ ص ۲۰۷)

یہ احادیث ہیں جو حدیث کے تحریر کرنے کی اجازت بلکہ حکم پر مشتمل ہیں، ان
میں سے بعض احادیث صحیح اور حسن ہیں اور بعض احادیث کی سندوں پر محدثین نے کلام
کیا ہے، مگر مجموعی طور پر سب ایک دوسرے کی مؤید ہیں اور مزید شواہد بھی موجود ہیں۔

ان سب احادیث سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی احادیث لکھی گئیں اور آپ ﷺ کے سامنے آپ کی اجازت بلکہ آپ ﷺ کے حکم سے لکھی گئیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے احادیث لکھنے کی رسول اللہ ﷺ سے صریحاً اجازت لی ہے اور وہ آپ کی احادیث اس طرح آپ ﷺ سے سن کر لکھتے رہے کہ ان کے اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان اور کوئی نہیں ہوتا تھا، ان کے علاوہ دیگر اصحاب رسول اللہ ﷺ بھی لکھتے تھے چنانچہ جب حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے ایک جماعت صحابہ سے کہا کہ آپ حضرات احادیث سناتے ہیں اور آپ ﷺ کے بارے میں جھوٹ بولنے کے سلسلے میں اس قدر شدید وعید بھی سن چکے ہیں تو ان سب کا جواب یہ تھا کہ ہم جو سنتے ہیں وہ ہمارے پاس لکھا ہوا محفوظ ہے۔

ان تمام توضیحات سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ حدیث لکھنے کی ممانعت کا تعلق نزول وحی کے اولین دور سے ہے بعد میں رسول اللہ ﷺ نے احادیث لکھنے کی نہ صرف یہ کہ عام اجازت دے دی بلکہ اس کا حکم فرمایا، اس عمومی اجازت اور حکم کے بعد صحابۂ کرام نے اپنی تمام تر توانائیاں احادیث کو صدور اور سطور میں محفوظ کرنے میں لگادیں، متعدد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے احادیث قلمبند کیں اور ان میں سے بعض نے مجموعے اور صحیفے تیار کیے اور جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دور خلافت آیا تو انہوں نے ارادہ کیا کہ احادیث و سنن ایک مجموعے میں لکھ لی جائیں چنانچہ اس مسئلے میں آپ نے صحابۂ کرام سے مشورہ کیا سب نے یہی رائے دی کہ احادیث یکجا لکھ لی جائیں، اس مشورہ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک ماہ استخارہ کرتے رہے اور ایک روز آپ نے ارادہ مستحکم کر کے صحابۂ کرام سے فرمایا کہ میں نے احادیث لکھوانے کا ارادہ کیا تھا لیکن میں نے ان قوموں کے بارے سوچا جنہوں نے تم سے پہلے کتابیں لکھی تھیں اور پھر وہ انہی میں منہمک ہو گئے اور اللہ کی کتاب کو چھوڑ دیا قسم بخدا! میں اللہ کے کتاب کے ساتھ اور کسی شے کو نہیں ملاؤں گا۔ (تقیید العلم ص ۴۹۔ التراتیب الاداریہ ج ۲ ص ۲۴۹)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جملہ احادیث لکھوانے اور ان کو

عمومی طور پر مدون کرانے کا ارادہ کیا تھا لیکن اندیشہ ہوا کہ کہیں بعد میں مسلمان قرآن کو چھوڑ کر ان کتابوں میں منہمک ہو جائیں اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے حدیث کے لکھنے اور مدون کرنے کی نہ ہوتی تو سرے سے ارادہ ہی نہ کرتے اور ارادہ کر کے اس قدر فکر و تامل اور مشورہ نہ کرتے، یہ ساری بات اس امر کی دلیل ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ احادیث کی عمومی تدوین چاہتے تھے لیکن جب انہوں نے گزشتہ امتوں کی گمراہی کے اسباب پر غور کیا اور انہوں نے اس کا ایک سبب اللہ کی کتاب کو چھوڑ دینا سمجھا تو اس پر احادیث کی مجموعی تدوین کا ارادہ ترک کر دیا۔ (مباحث فی علوم الحدیث، ص ۲۹۰)

چنانچہ علامہ ابن رشد اپنی کتاب البیان والتحصیل میں لکھتے ہیں:

> مطلب یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ ارادہ کیا تھا کہ جملہ احادیث یکجا لکھی جائیں تا کہ وہ مسلمانوں کے لئے ایک مستقل اصل بن جائے تا کہ وہ اس کی جانب رجوع کریں لیکن پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے توقف فرمایا کیونکہ احادیث جمع کرنے کے بعد ان کی صحت کا معیار اس طرح قطعی نہیں ہو سکتا جس طرح قرآن کی صحت قطعی ہے اس لئے قرآن کا نقل متواتر ہے اور تمام احادیث کا نقل متواتر نہیں ہے، اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فیصلہ کیا کہ احادیث کا معاملہ امت کے نظر و اجتہاد پر چھوڑ دیا جائے کہ علماء اپنی کاوش سے ان کی صحت کا جائزہ لیں۔ (التراتیب الاداریہ ج ۲ ص ۲۴۸)

تدوین کی ابتدائی صورت

یہ تدوین بطور فن کے نہیں بطور یادداشت کے تھی۔ حضور اکرم ﷺ نے حدیث لکھنے کی اجازت بھی دے رکھی تھی۔ خود بھی بعض احکام سامنے لکھوا دیے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی احادیث کی کچھ یادداشتوں کو محفوظ کر رکھا تھا۔ موجودہ ذخائر حدیث میں ان یادداشتوں کی کہیں کہیں نشاندہی ملتی ہے۔ بعض صحائف حدیث کا بھی کہیں کہیں

ذکر آتا ہے۔ ہم یہاں الصحیفہ الصادقہ، کتاب الصدقہ، صحیفہ علی، صحیفہ عمرو بن حزم، صحیفہ جابر، صحیفہ سمرہ بن جندب، کتاب معاذ بن جبل، کتاب ابن عمر، کتاب ابن عباس، کتاب سعد بن عبادہ کا کچھ تذکرہ کریں گے۔ اس کے ضمن میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے جمع کردہ مجموعوں کا ذکر بھی کہیں کہیں کر دیا جائے گا یہ پہلے دور کی حدیثی تحریرات ہیں۔

صحیفہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حدیث کا ایک مجموعہ (صحیفہ) مرتب فرمایا تھا جو پانچ سو احادیث پر مشتمل تھا، چنانچہ حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے بحوالہ حاکم از قاسم بن محمد روایت کی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا کہ

> میرے والد نے ایک مجموعہ میں رسول اللہ ﷺ کی پانچ سو احادیث جمع کی تھیں، ایک رات کو میں نے دیکھا کہ آپ بار بار کروٹیں بدل رہے ہیں، میں نے پریشان ہو کر دریافت کیا کہ کیا آپ کو کوئی تکلیف یا پریشانی ہے، بہر حال صبح ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ بیٹی ذرا احادیث کا وہ مجموعہ لاؤ جو تمہارے پاس ہے، آپ نے اسے آگ میں جلا دیا، میں نے دریافت کیا کہ آپ نے اسے جلا کیوں دیا؟ فرمایا مجھے ڈر ہوا کہ کہیں میری موت آجائے اور اس مجموعہ میں بعض ایسی احادیث بھی ہوں جو میں نے ایسے شخص سے سنی ہوں جس پر میں نے اعتماد کر لیا ہو مگر فی الحقیقت ایسا نہ ہو اور میں اللہ کے ہاں اس کی روایت کا ذمہ دار ہو جاؤں۔

تذکرۃ الحفاظ میں اس روایت کے بعد یہ الفاظ ہیں:

فهذا لا يصح و الله اعلم (تذکرۃ الحفاظ، ج۱ص۵)

یہ صحیح نہیں ہے اور اللہ بہتر جانتا ہے۔

بظاہر یہ کلمات حافظ ذہبی کے ہیں جس کا مطلب غالباً یہ ہے کہ ان کے نزدیک جلانے کی روایت درست نہیں ہے، واللہ اعلم۔

اس روایت سے بہر حال یہ ثابت ہو گیا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے احادیث تحریر فرمائیں اور ان کا ایک مجموعہ مرتب کیا لیکن آپ نے یہ تمام احادیث براہ راست رسول اللہ ﷺ سے نہیں سنی تھیں بلکہ بعض دیگر اصحاب سے بھی سنی تھیں اور یہ بات متعارف ہے کہ صحابۂ کرام ایک دوسرے سے رسول اللہ ﷺ کی احادیث سنا کرتے تھے، بہر حال حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یہ اندیشہ دامن گیر ہوا کہ اگر میں مر گیا اور اس مجموعہ میں کوئی ایسی حدیث بھی ہو جو راوی کے اعتماد اور بھروسہ پر مجموعہ میں شامل کر لی ہو اور فی الواقع اس نے روایت حدیث میں ضبط اور تثبت سے کام نہ لیا ہو اور قول رسول میں کوئی لفظاً یا کوئی بات بعینہٖ اس طرح ادا نہ ہوئی ہو جس طرح رسول اللہ ﷺ نے فرمائی ہوگی، تو روزِ قیامت اس کا حساب دینا ہوگا اور اس پر گرفت ہوگی اس خوفِ آخرت کے تحت آپ نے اس مجموعہ کو جلانے کا فیصلہ فرمایا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی دیگر تحریریں

صحابۂ کرام اور بالخصوص خلفائے راشدین امورِ مملکت اور انتظامی معاملات نیز ذاتی ضرورتوں میں بھی جب مکاتبت کرتے تو ہمیشہ اسوۂ رسول ﷺ کو پیش نظر رکھتے اور جا بجا عمل نبوت اور قول رسول ﷺ بیان کرتے چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو جو اس وقت ان کی طرف سے بحرین کے عامل تھے، زکوٰۃ کے نصاب اور اس وصولیابی سے متعلق خط لکھا جو اصلاً وہی مکتوب تھا جو رسول اللہ ﷺ نے تحریر فرمایا تھا یعنی بعینہٖ مکتوب رسالت کی نقل آپ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو روانہ کی اور اس کے مطابق عمل کا حکم دیا اور اس پر خلیفہ رسول اللہ (اللہ کے رسول کے نائب) ہونے کی حیثیت سے مہر نبوت بھی ثبت فرمائی۔

(مسند احمد بن حنبل۔ ج ا ص ۱۸۳)

چنانچہ ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں بھی یہ تصریح موجود ہے کہ حضرت

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو خط لکھا اور اس پر رسول اللہ ﷺ کی مہر لگی ہوئی تھی۔ (صحیح بخاری، کتاب الزکوۃ، ج ا ص ۱۹۴)

ایک موقعہ پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو خط لکھا اور اس میں انصاری صحابہ کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کو تحریر فرمایا:

اقبلوا من محسنھم و تجاوزوا عن مسیئھم (معجم الکبیر ج ا ص ۶۳)

ان سے جو لوگ اچھے اعمال کریں انہیں قبول کرلو اور جو کوئی بری بات کرے اس سے درگزر کرو۔

صحیفہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی حدیث کا ایک مجموعہ تحریر فرمایا تھا جو انہوں نے اپنی تلوار کے پرتلے میں محفوظ کیا ہوا تھا چنانچہ نافع نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تلوار کے پرتلے میں محفوظ ایک صحیفہ ہاتھ لگا جس میں جانوروں کی زکوۃ کے احکام تھے۔ ہوسکتا ہے کہ سالم بن عبداللہ کو جو نسخہ ملا تھا اور جو انہوں نے ابن شہاب زہری کے پاس پڑھا تھا وہ یہی صحیفہ ہو، اس بات کی تائید محمد بن عبدالرحمٰن انصاری کے اس قول سے بھی ہوتی ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے خلیفہ بننے کے بعد کسی شخص کو مدینہ منورہ روانہ کیا کہ وہ صدقات (زکوۃ کے احکام) کے بارے میں رسول اللہ ﷺ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خطوط لے کر آئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اہل خانہ کے پاس حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مکتوب ملا جس میں احکام زکوۃ اسی طرح درج تھے جس طرح رسول اللہ ﷺ کے خط میں مذکور تھے۔ ان صاحب نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے لئے ان دونوں خطوں کی نقل تیار کی۔

روایت ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے محمد بن عبدالرحمٰن کو بھی ان دونوں خطوں

کی نقول تیار کرنے کا حکم دیا تھا اور انہوں نے بھی نقول تیار کی تھیں۔ (الاموال ص ۳۵۸)

یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اس مکتوب نبوت کی زیارت کی تھی اور اسے پڑھا تھا۔ (التراتیب الادار یہ ج ۲ ص ۲۰۱)

اور ابن شہاب زہری نے بھی یہ مکتوب دیکھا تھا اور سالم بن عبداللہ کو پڑھوایا تھا۔ (الفسائی بشرح السیوطی، ج ۸ ص ۵۹)

امر واقعہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے زکوٰۃ کے احکام سے متعلق ایک مکتوب تحریر کرایا تھا، یہی مکتوب تھا جو آپ ﷺ کی تلوار کے پر تلے میں محفوظ تھا اسی کی نقل حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو بھی روانہ فرمائی اور یہی مکتوب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تلوار کے پر تلے میں محفوظ تھا جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد ان کے خاندان میں محفوظ رہا جس کی نقل حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے بنوائی اور خاص مکتوب نبوت کی بھی نقل تیار کرائی، ممکن ہے کہ اس کی نقل دوسرے صحابہ کرام کے پاس بھی ہو، علاوہ بریں زکوٰۃ سے متعلق احکام صحابہ کرام نے اور بعد ازاں تابعین نے زبانی بھی روایت کئے ہیں، اگر زبانی روایت میں اور رسول اللہ ﷺ کی اس خود لکھوائی ہوئی تحریر میں کوئی فرق ہوتا تو ضرور محدثین اس کو بیان کرتے، اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ احکام زکوٰۃ کی زبانی روایات رسول اللہ ﷺ کی تحریر کے عین مطابق تھیں، بنا بریں اس شک کا جو بعض متجددین ذکر کرتے ہیں کہ شاید احادیث کی روایات میں کوئی کمی بیشی ہوگئی ہو کوئی امکان باقی نہیں رہا۔ واللہ اعلم

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور جمع احادیث کا اہتمام

قرآن کریم مصحف کی صورت میں عہد صدیقی میں لکھا جا چکا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں احادیث کے ضبط تحریر میں لانے کے بارے میں غور و فکر کیا پھر آپ نے صحابہ کرام کو جمع کیا اور ان سے مشورہ کیا، صحابہ کرام نے یہی مشورہ دیا کہ احادیث نبوی ﷺ کو ضبط تحریر میں لایا جائے مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس مشورہ کے بعد بھی غور و فکر کرتے رہے اور ایک ماہ تک اس معاملے میں اللہ سے استخارہ کرتے رہے،

ایک ماہ کے بعد ایک صبح بیدار ہوئے تو اللہ سبحانہ کے حکم سے آپ کا عزم و ارادہ مستحکم ہو چکا تھا، چنانچہ آپ نے جماعت صحابہؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

> آپ سب کو معلوم ہے میں نے احادیث رسول ﷺ کو ضبط تحریر میں لانے کا ارادہ کیا تھا لیکن میں نے پچھلی قوموں کے حالات پر نظر ڈالی تو میں نے یہ دیکھا کہ انہوں نے بھی کتابیں تحریر کیں، پھر اللہ کی کتاب کو چھوڑ کر ان کتابوں پر ٹوٹ پڑے، قسم بخدا! میں اللہ کی کتاب کے ساتھ کبھی کوئی آمیزش نہیں ہونے دوں گا۔ (جامع بیان العلم وفضلہ، ج ۱ ص ۷۷)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سرکاری حیثیت میں ارادہ فرمایا کہ احادیث کا ایک باقاعدہ تحریری مجموعہ تیار ہو جائے، اس سلسلے میں پہلے خود غور و فکر کیا پھر صحابہ کرام سے مشورہ کیا سب نے اس کی تائید کی اور احادیث کے تحریری مجموعہ کی تیاری کے حق میں رائے دی لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک ماہ تک استخارہ کیا اور اس نتیجے پر پہنچے کہ ماضی میں قوموں کی تباہی کا ایک بڑا سبب یہ ہوا کہ انہوں نے اللہ کی کتاب کے پہلو بہ پہلو کتابیں لکھیں پھر ان کتابوں پر ٹوٹ پڑے اور اللہ کی کتاب کو چھوڑ دیا، یہ سوچ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے احادیث کے مجموعے تیار کرانے کے بارے میں اپنی رائے بدل دی اور یہ فیصلہ فرمایا کہ فی الوقت احادیث کے تحریری مجموعے نہ تیار کرائے جائیں تاکہ لوگوں کی تمام تر توجہ قرآن کریم ہی کی جانب مرکوز رہے۔

رسول اللہ ﷺ کے زیر تربیت صحابہ کرام کی جو جماعت تیار ہوئی تھی وہ سب قرآن کریم کے اسلوب طرز بیان اور اس کی معجزانہ شان سے بخوبی واقف تھے، ان میں سے ایک بڑی تعداد حفاظ قرآن کی تھی، صحابہ کرام رسول اللہ ﷺ کے اسلوب بیان اور طرز گفتگو سے بھی آشنا تھے اور انہیں بخوبی ادراک تھا کہ اللہ کے کلام میں اور افصح العرب کی گفتگو میں کیا فرق ہے؟ اللہ کے رسول ﷺ کا کلام بجائے خود عرب میں ممتاز اور نمایاں تھا، آپ کو جوامع الکلم عطا ہوئے تھے، آپ ﷺ کے مختصر جملے فصاحت و

بلاغت کے ساتھ دریائے معانی اپنے اندر سمیٹے ہوتے، لیکن اس کے باوجود کلام اللہ میں اور کلام نبوت میں جو فرق تھا اس سے صحابہ آشنا تھے، وہ قرآن کو قرآن سمجھ کر یاد کرتے اور حدیث کو حدیث جان کر محفوظ رکھتے، کیا یہ بجائے خود معجزہ نہیں ہے اور کیا یہ قرآن کے کلام ہونے کی قطعی دلیل نہیں ہے کہ ایک شخص (ﷺ) مسلسل ۲۳ برس تک جدا اور ممتاز اسالیب بیان میں گویا رہا۔

دوسری جانب "یدخلون فی دین اللہ افواجاً" کی کیفیت تھی اور بے شمار لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہو رہے تھے یہ ابھی تک اسلامی رنگ میں نہیں رنگے گئے تھے، ان میں سے بیشتر غیر عرب تھے جنہیں عربی زبان کے اسالیب بیان کا پتہ نہیں تھا، وہ ابھی نہ بخوبی قرآن سے واقف ہوئے تھے اور نہ وہ پوری طرح قرآن اور حدیث کی زبان اور اسلوب کے فرق سے آشنا تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پیش نظر یہی لوگ تھے اور انہی کے بارے میں یہ اندیشہ محسوس ہوا کہ ہو سکتا ہے کہ کثیر تعداد میں روز بروز اسلام قبول کرنے والے اللہ کے کلام میں اور کلام نبوت میں فرق محسوس نہ کر سکیں اور قرآن کو چھوڑ کر احادیث کے مجموعوں پر ٹوٹ پڑیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فی الواقع فاروق تھے اور جب تک روئے زمین پر امت مسلمہ موجود ہے وہ ہمیشہ فارق بین الحق والباطل رہیں گے، ان کی نظر بصیرت نے اس خطرے کو محسوس کر لیا جو امت کو پیش آ سکتا تھا اور اسی خطرے کے پیش نظر اپنے دربار خلافت کی زیر نگرانی احادیث کے مجموعے تیار کرانے کا ارادہ بدل دیا، اس سے یہ کسی طرح ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ احادیث کو ضبط تحریر میں لانے کے حق میں نہیں تھے، اگر ایسا ہوتا تو اس قدر فکر و تامل کیوں فرماتے اور صحابہ سے کیوں مشورہ فرماتے اور کامل ایک ماہ تک اس معاملے میں اللہ سے استخارہ کیوں کرتے۔

رسول اکرم ﷺ کے تحریری معاہدات اور مواثیق

بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم ﷺ کے ان تحریری معاہدات اور مواثیق کی نقول رکھی ہوئی تھیں جو زمانہ نبوت میں آپ کے حکم سے تحریری

گئی تھیں، یہ سب دستاویزات آپ نے ایک صندوق میں رکھی ہوئی تھیں اور یہ صندوق بھرا ہوا تھا لیکن ۸۲ھ میں یوم جماجم کے موقعہ پر جب دیوان میں آگ لگی تو یہ صندوق بھی ضائع ہو گیا۔ (الوثائق السیاسیہ ص ۱۰)

صحیفہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ

خلیفہ سوم حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ختن رسول اللہ ﷺ زوجہ کے ہمراہ حبشہ کی طرف اہلیہ کے ساتھ سب سے پہلے ہجرت کی پھر مدینہ منورہ ہجرت فرمائی، ان عظیم اصحاب رسول اللہ ﷺ میں سے ہیں جن کو جنت کی بشارت دی گئی ۳۵ھ میں شہید کئے گئے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں تین اہم خطوط تحریر فرمائے، ایک تمام عاملین کے نام، دوسرا عمال خراج کے نام اور تیسرا عام مسلمانوں کے نام۔ عام مسلمانوں کے نام تحریر کی عام اشاعت کی گئی اس مکتوب میں آپ نے ایک حدیث رسول ﷺ بھی تحریر کی ہے اس مکتوب کا مضمون یہ ہے:

> اما بعد! اتباع اور اقتداء کے بارے میں احکام شریعت کا تمہیں بخوبی علم ہے، دیکھو کہیں دنیا کی خاطر تم فتنہ میں نہ پڑ جاؤ، تین باتیں ظہور پذیر ہونے پر اس امت میں بدعتوں کا اندیشہ ہے، نعمتوں کی فراوانی، باندیوں کی اولاد کا بڑا ہونا، اور اعراب اور اعاجم کا قرآن پڑھنا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ عدم فہم دین کفر کا سبب بن جاتا ہے کیونکہ لوگوں کو دین کی کوئی بات جب سمجھ میں نہیں آتی تو وہ تکلف میں پڑ جاتے ہیں اور بدعت اختیار کر لیتے ہیں۔ (الاصابہ ج ۲، ص ۱۰۵۔ مسند احمد بن حنبل، ج ۱، ص ۱۱۸)

صحیفہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ

یہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا جمع کردہ صحیفہ تھا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ (۵۷ھ) کہتے ہیں:

"ما من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم احدٌ اکثر حدیثاً عنہ منّی الا ما کان من عبداللہ بن عمرو فانہ کان یکتب ولا اکتب" (صحیح بخاری جلد ۱، ص ۲۲، مصنف عبدالرزاق جلد ۱۱، ص ۲۵۹، جامع ترمذی جلد ۲، ص ۱۰۷، سنن دارمی جلد ۱، ص ۱۰۳)

حضور ﷺ کے صحابہ میں مجھ سے زیادہ حضور کی حدیثیں رکھنے والا بجز عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے اور کوئی نہ تھا اور اس کی بھی وجہ یہ تھی کہ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ حدیثیں لکھتے تھے اور میں نہ لکھتا تھا۔ (۱)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ جو اس صحیفے کے مؤلف ہیں ایک جگہ خود فرماتے ہیں:

"حفظت عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الف مثال" (اسد الغابہ جلد ۳، ص ۲۳۳)

"میں نے حضور اکرم ﷺ سے ایک ہزار امثال یاد کی ہیں"

جب امثال کی احادیث ایک ہزار کے قریب تھیں تو عام احادیث کا ذخیرہ کس

۱۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ عمل صرف حضور ﷺ کی حیات طیبہ تک تھا۔ آپ کے بعد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بھی حدیثیں لکھنی شروع کر دی تھیں۔ آپ کے شاگرد حسن بن عمرو کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک حدیث بیان کی آپ نے اس سے لاعلمی کا اظہار کیا۔ میں نے کہا میں نے یہ حدیث تو آپ سے سنی تھی۔ آپ نے فرمایا۔ "ان کنت سمعتہ منی فہو مکتوب عندی" (جامع بیان العلم جلد ۱، ص ۷۴ و فتح الباری جلد ۱، ص ۱۸۴)
ترجمہ: اگر تم نے یہ مجھ سے سنی ہوگی تو میرے پاس لکھی بھی ہوگی۔ پھر آپ حسن بن عمرو کو اپنے ساتھ گھر لے گئے اور انہیں وہ ساری تحریرات دکھائیں اور ان میں وہ حدیث مل گئی۔ آپ نے کہا میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ اگر میں نے تمہیں سنائی ہوگی تو میرے پاس لکھی ہوئی بھی ہوگی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے والد جب مصر کے گورنر تھے تو ان کے پاس بھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی احادیث کا ایک مجموعہ موجود تھا۔ دیکھیے طبقات ابن سعد جلد ۷، ص ۴۴۸۔

قدر ہوگا جو آپ نے حضور ﷺ سے حاصل کیا ہوگا اور وہ آپ کے ہاں محفوظ ہوگا؟

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ (۶۷ھ) کو حدیثیں لکھنے کی اجازت خود حضور اکرم ﷺ نے دے رکھی تھی۔

محدث شہیر عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی (۲۱۱ھ) حضرت عطاء الخراسانی سے روایت کرتے ہیں:

"ان عبداللہ بن عمرو بن العاص قال یا رسول اللہ انا نسمع منک احادیث افتاذن لی فاکتبھا؟ قال نعم فکان اول ما کتب بہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی اھل مکۃ کتابا" (المصنف جلد ۸، ص ۳)

"حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے عرض کی۔ اے اللہ کے رسول! ہم آپ سے احادیث سنتے ہیں کیا آپ اجازت دیتے ہیں کہ میں انہیں لکھ لیا کروں؟ آپ نے فرمایا ہاں، سو اس میں پہلی تحریر وہ تھی جو حضور ﷺ نے اہل مکہ کی طرف لکھی تھی"۔

سنن ابی داؤد، مستدرک حاکم، معالم السنن اور طبقات ابن سعد (۱) میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ امام المفسرین تابعی کبیر حضرت مجاہد (۱۰۰ھ) کہتے ہیں میں نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے ہاں ایک صحیفہ گدے کے نیچے چھپا دیکھا تو اٹھا لیا۔ آپ نے مجھے ہاتھ لگانے سے روکا اور فرمایا:

"ھذہ الصادقۃ ما سمعت من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیس بینی و بینہ احد اذا سلمت ھذہ کتاب اللہ والوھط فلا ابالی علی ما کانت علیہ الدنیا" (جامع بیان العلم جلد ۱، ص ۷۲، اسد الغابہ جلد ۳، ص ۲۳۳)

۱۔ سنن ابی داؤد جلد ۲، ص ۱۵۳، مستدرک حاکم جلد ۱، ص ۱۰۵۔ معالم السنن للخطابی جلد ۴، ص ۱۸۴،
طبقات ابن سعد جلد ۴، ص ۸

"یہ صحیفہ صادقہ ہے جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا اس میں
مجھ میں اور حضور ﷺ میں اور کوئی شخص واسطہ نہیں ہے۔ جب
تک میرے پاس یہ احادیث اور قرآن ہیں اور وہط کی زمین ہے
مجھے فکر نہیں کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے"۔

یہ صحیفہ صادقہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی اولاد کے پاس سالہا سال
رہا۔ آپ کے پڑپوتے عمرو بن شعیب اسے باقاعدہ پڑھاتے تھے۔ حدیث کی موجودہ
کتابوں میں جو احادیث اس سند سے مروی ہوں۔ عمرو بن شعیب عن ابیہ عن
جدہ۔ وہ اسی مجموعہ سے ماخوذ ہوتی تھیں۔
حافظ ابن حجر عسقلانی، یحییٰ بن معین اور علی بن المدینی کے حوالہ سے اس کی
تصریح کرتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۸ ص ۴۹،۵۳)
حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کے اس صحیفے کا نام الصادقہ تھا۔ آپ خود
فرماتے ہیں:

"هذه الصادقة ما سمعت من رسول الله ﷺ ليس
بيني و بينه احد" (سنن دارمی جلد ا ص ۱۲۷)
"الصادقہ وہ کتاب ہے جو میں نے آنحضرت ﷺ سے لکھی
تھی۔ میرے اور آپ کے بیچ کوئی اور راوی نہیں"۔

امام ترمذی (۲۷۹ھ) نے بھی اپنی سنن میں اس صحیفہ صادقہ کا ذکر کیا ہے۔ ایک
حدیث کے تحت آپ لکھتے ہیں:

"وقد تكلم يحيىٰ بن سعيد في حديث عمرو بن
شعيب وقال هو عندنا واه و من ضعفه فانما من قبل انه
يحدث من صحيفة جده عبدالله بن عمرو و اما اكثر
اهل العلم فيحتجون بحديث عمرو بن شعيب
ويثبتونه" (جامع ترمذی جلد ا ص ۸۲،۸۳)

"عمرو بن شعیب کی حدیث میں یحییٰ بن سعید القطان کلام کرتے ہیں اور کہتے ہیں وہ ہمارے ہاں کچھ نہیں اور جس نے ان کی حدیث کو ضعیف کہا ہے وہ اسی اساس پر کہا ہے کہ عمرو بن شعیب اپنے دادا حضرت عبداللہ بن عمرو کے صحیفہ سے روایت کرتے ہیں، اکثر اہل علم عمرو بن شعیب کی روایت سے سند لیتے ہیں اور اسے ثابت مانتے ہیں"۔

اس وقت یہ بحث نہیں کہ عمرو بن شعیب واقعی یادداشت سے روایت کرتے تھے یا صرف اس صحیفے سے۔ اس وقت یہ موضوع زیر بحث نہیں۔ نہ یہ بحث ہے کہ تحریر سے روایت جائز ہے یا نہیں؟ یہاں ہمیں صرف یہ بتلانا ہے کہ قرون اولیٰ میں واقعی یہ صحیفہ موجود تھا اور حدیث کی یہ تحریر اپنی جگہ بہت قابل اعتماد سمجھی جاتی تھی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے تصریح کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ (۶۷ھ) کے پاس اُن سے زیادہ حدیثیں موجود تھیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرویات کی تعداد پانچ ہزار کے قریب بتلائی جاتی ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما اس سے بھی زیادہ تعداد میں احادیث جمع کر چکے تھے۔ حدیث کی یہ خدمت اس پہلے دور کی ہے جو حضور ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا دور تھا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے دور کی یہ یادگار آئندہ بھی مدت تک موجود رہی۔

حافظ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ) لکھتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کے پوتے عمرو بن شعیب کے پاس یہ کتاب موجود تھی۔ (تہذیب التہذیب جلد ۸، ص ۴۹)

حافظ جمال الدین زیلعی (۷۶۲ھ) نے بھی اس نسخہ عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کا ذکر کیا ہے۔ (نصب الرایہ جلد ۲، ص ۳۳۲)

(۲) کتاب الصدقہ

یہ حضور ﷺ کے املاء فرمودہ احکام کا ایک مجموعہ ہے جو اس پہلے دور میں ہی ترتیب پا گیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما

(۴۳ھ) کہتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے کتاب الصدقہ تحریر کرائی تھی۔ یہ وہ احکام تھے جو آپ ﷺ نے اپنے گورنروں کے لیے لکھوائے تھے۔ آپ ﷺ ابھی انہیں بھیجنے نہ پائے تھے کہ آپ ﷺ کی وفات ہوگئی۔ آپ ﷺ کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس پر عمل کیا اور ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس پر عمل کرتے رہے۔

محدث شہیر عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی (۲۱۱ھ) لکھتے ہیں:

"ان النبی کتب کتاباً فیہ ھذہ الفرائض فقبض النبی ﷺ قبل ان یکتب الی العمال فاخذہ ابوبکر و امضاہ بعدہ علی ما کتب" (المصنف جلد ۳، ص ۲۵ـ سنن ابی داؤد جلد ا، ص ۲۲۹)

"بے شک حضور اکرم ﷺ نے ایک کتاب تحریر کرائی تھی جس میں یہ فرائض لکھے گئے۔ پیشتر اس کے کہ حضور ﷺ اسے گورنروں کی طرف بھجوائیں۔ حضور ﷺ کی وفات ہوگئی۔ آپ ﷺ کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ تحریر حاصل کرلی اور اسے آپ کی تحریر کے مطابق نافذ فرمایا"۔

امام ترمذیؒ نے بھی حدیث کی اس کتاب کا ذکر کیا ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

"ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کتب کتاب الصدقۃ فلم یخرجہ الی عمالہ حتی قبض فقرنہ بسیفہ فلما قبض عمل بہ ابوبکر حتی قبض و عمر حتی قبض" (جامع ترمذی جلد ا، ص ۷۱، ص ۱۰۷)

"رسول اللہ ﷺ نے کتاب الصدقہ لکھوائی۔ آپ اسے اپنے عمال کی طرف بھیجنے نہ پائے تھے کہ آپ کی وفات ہوگئی۔ یہ آپ نے اپنی تلوار سے لگا رکھی تھی۔ جب آپ کی وفات ہوگئی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس پر عمل فرمایا۔ یہاں تک کہ آپ کی بھی

وفات ہو گئی۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی اس پر عمل کرتے
رہے۔ یہاں تک کہ آپ کی بھی وفات ہو گئی''۔

ان روایات سے پتہ چلتا ہے کہ اس پہلے دور میں قرآن کریم کے ساتھ ساتھ حدیث کے یہ ذخیرے یقیناً زیر عمل تھے اور اُمت اسلامی انہیں ایک مستقل مآخذ علم کے طور پر برابر قبول کرتی تھی انہی دو ماخذوں پر خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا عمل تھا۔ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہم اگر عمل بالحدیث کے قائل نہ ہوتے تو اس مجموعہ حدیث کو اپنے ہاں اس طرح حفاظت سے نہ رکھتے اور اس طرح اسے نافذ نہ کرتے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد یہ نسخہ (کتاب الصدقہ) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اولاد کے پاس رہا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے بیٹے سالم بن عبداللہ نے یہ کتاب امام زہری کو پڑھائی تھی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے بھی اس کی نقل حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادوں (حضرت سالم اور حضرت عبداللہ) سے لے لی تھی۔ امام زہری (۱۲۴ھ) اس کتاب کو درساً پڑھایا کرتے تھے۔ آپ فرماتے ہیں:

> ''یہ حضور اکرم ﷺ کی وہ کتاب ہے جو آپ نے صدقات پر لکھائی تھی، اس کا اصل نسخہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اولاد کے پاس رہا ہے۔ مجھے یہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت سالم نے پڑھایا تھا۔ میں نے اُسے پورا حفظ کر لیا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اس کی نقل حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادوں عبداللہ اور سالم سے حاصل کی تھی۔ یہ وہی نقل ہے''۔ (ابوداؤد جلد ۱ ص ۲۲۰)

حضرت امام زہری کو جمع احادیث پر حضرت عمر بن عبدالعزیز نے مامور کیا تھا۔ ظاہر ہے کہ انہوں نے ہی یہ نقل امام زہری کو دی ہوگی۔

کتاب الصدقہ کی نقول

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خود بھی اس تحریر کی نقول کرائیں اور اپنے عمال کو

بھجوائیں۔ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اس کی نقول لیں اور آگے اپنے عاملوں کو دیں۔ بعض حضرات کو گمان ہے کہ یہ اس کتاب الصدقہ سے جو حضور ﷺ نے لکھوائی تھی علیحدہ تالیفات ہیں۔ لیکن حضرت حماد بن سلمہ کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی کتاب الصدقہ وہی کتاب ہے جس پر کہ حضور ﷺ کی مہر تھی۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو عامل بنا کر بحرین بھیجا۔ تو انہیں ایک کتاب الصدقہ دی اور امر فرمایا کہ اس کے مطابق ان سے زکوٰۃ وصول کریں۔ یہ کتاب بعد میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کے خاندان میں رہی۔ حضرت حماد بن سلمہ نے اسے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پوتے ثمامہ بن عبداللہ کے پاس بھی دیکھا تھا۔ (سنن ابی داؤد جلد ا ص ۲۱۸)

وہ بیان کرتے ہیں کہ اس پر آنحضرت ﷺ کی مہر ثبت تھی۔ اس کتاب کے کچھ حوالے صحیح بخاری میں بھی ملتے ہیں۔ (دیکھیے بخاری کتاب الزکوٰۃ)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بھی غالباً اسی کتاب الصدقہ کی نقل ہوگی۔ جس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی روایت سے کچھ اور احادیث لکھ لی ہوں گی۔ جس کی وجہ سے محدثین اسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اپنی کتاب الصدقہ کہنے لگے ہوں۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"انہ قرا کتاب عمر بن الخطاب فی الصدقۃ" (موطا امام مالک، ص ۱۰۹)

"حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی کتاب الصدقہ میں نے خود پڑھی ہے"

ان روایات کی روشنی میں آپ اس کتاب کی اہمیت، شہرت اور ضرورت کا بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں۔ اس کتاب کے اقتباسات کا بعد کی بڑی کتب معروفہ میں پایا جانا۔ اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ کس طرح بعد کی تالیفات حدیث ان ابتدائی تحریرات کی بناء پر ترتیب پائی ہیں۔

(۳) صحیفہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس بھی حدیث کی کچھ تحریرات موجود تھیں۔ جنہیں صحیفہ علی رضی اللہ عنہ کہتے تھے کتب حدیث میں اس کا ذکر بھی ملتا ہے۔ اسے کتاب علی کے نام سے ذکر کرتے ہیں۔ (مصنف عبدالرزاق جلد ۳، ص ۳۰۰)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح بخاری کے کئی ابواب میں اس کا ذکر کیا ہے۔ (۱) اس سے واضح ہوتا ہے کہ اس کے مضامین بہت پھیلے ہوئے تھے۔ تاریخ کی اس پر کھلی شہادت موجود ہے کہ پہلے دور میں اس صحیفہ کو بڑی شہرت حاصل تھی۔ شیعہ کتب حدیث میں بھی جا بجا کتاب علی کا نام ملتا ہے۔ (۲)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"من زعم ان عندنا شیئا نقرؤہ الا کتاب اللہ وھذہ الصحیفۃ فقد کذب" (صحیح مسلم جلد ۱، ص ۴۴۲، ۴۹۵، صحیح بخاری جلد ۱، ص ۳۸۔ مصنف عبدالرزاق جلد ۹، ص ۲۶۳ جلد ۱۰، ص ۱۰۰، طبقات ابن سعد جلد ۶، ص ۱۶۸)

"جس نے یہ خیال کیا کہ ہمارے پاس قرآن کریم اور اس صحیفہ کے علاوہ بھی کوئی اور چیز ہے جسے ہم پڑھتے ہیں تو اس نے جھوٹ کہا"۔

اس صحیفہ حدیث میں زیادہ تر مالیات کے مسائل تھے۔ زکوٰۃ، دیت، خونبہا، فدیہ، اور قصاص اور حقوق اہل ذمہ کی روایات تھیں۔ مدینہ شریف کے حرم ہونے کی احادیث بھی اس میں شامل تھیں۔ اب یہ روایت موجودہ کتب حدیث میں عام ملتی ہیں۔ انہوں کی

۱۔ دیکھیے صحیح بخاری جلد ۱، ص ۳۸، جلد ۳ ص ۲۶۲، جلد ۴ ص ۱۲۲، جلد ۹ ص ۱۹، ص ۱۲۰، کتاب العلم کتاب الحج (فضائل المدینہ) کتاب الجہاد (باب فکاک الاسیر و باب ذمۃ المسلمین، باب اثم من عاہد ثم غدر) کتاب الاعتصام (باب ما یکرہ من التعمق والتنازع)

۲۔ کافی کلینی جلد ۱ ص ۲۴۱، ۲۴۲، جلد ۲ ص ۲۷۴، ۲۸۴، ۶۶۶، جلد ۳ ص ۹، ۱۱، ۲۴، ۳۱، ۵۵۰، جلد ۴ ص ۲۸، ۲۹۹، ۲۹۰، جلد ۵ ص ۲۹، ۲۷۹، ۳۱۵، جلد ۶ ص ۲۲۳، ۲۳۶، ۲۵۵۔ معانی الاخبار ص ۱۸۲، ۱۸۳، ۲۶۳ من لا یحضرہ الفقیہ ص ۲۶۳، ۲۸۹

مختلف امور پر کیا کیا احکام ہیں ان کا بھی ان روایات میں کچھ ذکر تھا۔

صحیفہ علم کی نشر و اشاعت

بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اس صحیفے کے بعض اجزاء کی نقلیں بھی لکھوا رکھی تھیں۔ آپ ہر لینے والے سے ان کے کاغذات کی قیمت ایک درہم لیتے تھے۔ آپ نے ایک دن خطبہ میں فرمایا:

"من یشتری علماً بدرھم" (ایضاً جلد ۵، ۳۶۹)

"کون ہے جو علم کو ایک درہم میں خرید لے"۔

علم ان دنوں حدیث کو کہا جاتا تھا۔ حارث الاعور نے ایک درہم میں کچھ ورق خرید لیے اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں احادیث لکھنے کے لیے آ گئے:

"فکتب له علماً کثیراً" (طبقات ابن سعد جلد ۶، ۲۴۰)

آپ نے ان کو بہت سا علم (بہت سی احادیث) لکھا کر دیں۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے شاگردوں میں سے حجر بن عدی نے اور آپ رضی اللہ عنہ کے بیٹے محمد بن الحنفیہ نے بھی اس صحیفہ علی کی نقلیں لے رکھی تھیں اور اس صحیفہ کی روایت آگے بھی چلتی رہی تھی۔ کسی شخص نے حجر بن عدی سے ایک مسئلہ پوچھا۔ آپ نے فرمایا وہ صحیفہ جو طاق میں رکھا ہے مجھے پکڑا۔ اس نے وہ صحیفہ آپ کو دیا۔ اس میں لکھا تھا:

"هذا ما سمعت علی بن ابی طالب رضی الله عنه یذکران الطهور و نصف الایمان" (طبقات ابن سعد جلد ۶، ۲۴۶)

"یہ روایات ہیں جو میں نے علی ابن ابی طالب سے سنیں۔ آپ حدیث بیان کرتے تھے کہ طہارت نصف ایمان ہے"۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ حجر بن عدی کے پاس صحیفہ علی کی نقل موجود تھی۔ جو اُن کے ہاں طاق میں رکھا رہتا تھا۔

عبدالاعلیٰ غسانی (۲۱۸ھ) محمد بن الحنفیہ (۸۱ھ) سے بہت روایات کرتے تھے۔ ان کا محمد بن الحنفیہ سے سماع ثابت نہیں۔ معلوم ہوا کہ ان کے پاس محمد بن الحنفیہ کی ایک کتاب تھی۔ عبدالاعلیٰ اس کتاب سے محمد بن الحنفیہ کے نام سے روایتیں کرتے تھے۔ (دیکھیے تذکرہ عبدالاعلیٰ)

ظاہر ہے کہ یہ روایات محمد بن الحنفیہ نے اپنے والد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہی لی ہوں گی۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے پوتے حضرت امام باقر کے ہاں بھی بعض صحف حدیث کا پتہ ملتا ہے۔ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ حدیثوں کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا۔

"انما وجدتها فی کتبه" (تہذیب التہذیب جلد ۲ص ۱۰۴)

"یہ روایات انہوں نے ان کی (امام باقر کی) کتابوں سے لی ہیں"۔

(۴) صحیفہ حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ

یہ تحریر حضور اکرم ﷺ نے اہل یمن کے لیے لکھوائی تھی۔ اس میں زیادہ تر فرائض، سنن اور روایات کے احکام تھے۔ انہیں صحیفہ عمرو بن حزم اس لیے کہا گیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے یہ تحریر حدیث حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ (۵۳ھ) کے ہاتھ یمن بھجوائی تھی اور آپ نے ہی اسے پڑھ کر سنایا تھا۔ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ (۳۰۳ھ) نے دیات کے سلسلے میں اس کتاب کا ذکر کیا ہے۔

"قال الحارث بن مسکین قراۃ علیه وانا اسمع عن ابن القاسم حدثنی مالک عن عبدالله بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم عن ابیه الکتاب الذی کتبه رسول الله صلی الله علیه وسلم لعمرو بن حزم فی العقول" (سنن نسائی جلد ۲ص ۲۵۲)

اس روایت میں صریح طور پر حضور اکرم ﷺ کی لکھوائی ہوئی ایک کتاب کا ذکر

ملتا ہے۔ اس میں اس کی بھی وضاحت ہے کہ آپ نے عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کے لیے یہ تحریر لکھائی تھی اور یہ کہ اس میں خون بہا اور دیات وغیرہ کے مسائل تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کتاب پر بڑا اعتماد فرماتے تھے اور اس کی احادیث کو حجت سمجھتے تھے۔

محدث شہیر عبدالرزاق الصنعانی (۲۱۱ھ) روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انگلیوں کے بارے میں ایک فیصلہ صادر فرمایا۔ پھر آپ کے سامنے یہ کتاب پیش کی گئی۔ اس میں یہ حدیث تھی کہ ہر انگلی کی دیت دس اونٹ ہے اس پر آپ نے اپنے فیصلے کو واپس لے لیا اور حدیث کے اس فیصلے کو صادر فرمایا۔

محدث عبدالرزاق لکھتے ہیں:

"قضی عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فی الاصابع ثم اخبر بکتاب کتبہ النبی لآل حزم فی کل اصبع مما ھنالک عشر من الابل فاخذ بہ و ترک امرہ الاول" (المصنف لعبدالرزاق جلد ۹ ص ۳۸۵)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انگلیوں کی دیت کے بارے میں فیصلہ کیا۔ پھر آپ کو اس کتاب کے حوالے سے جو حضور ﷺ نے آل حزم کے لیے تحریر کروائی تھی یہ حدیث بتلائی گئی کہ ہر انگلی کی دیت دس اونٹ ہیں۔ آپ نے اس حدیث کو لے لیا اور اپنے پہلے فیصلے سے رجوع فرمایا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم کی طرف لکھا تھا:

"ان یجمع لہ السنن ویکتبھا الیہ" (ترتیب المدارک جلد ۱ ص ۳۹)

وہ ان کے لیے احادیث جمع کریں اور انہیں ان کی طرف بھجوائیں۔

انہوں نے احادیث جمع کیں اور پیشتر اس کے کہ انہیں ان کی طرف بھجوائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات ہو گئی۔

سید التابعین حضرت سعید بن المسیب (۹۳ھ) کہتے ہیں:

"وجدنا کتابا عند ال حزم عن رسول اللہ ﷺ ان الاصابع کلھا سواء" (المصنف جلد ۹ ص ۳۸۴)

"ہم نے آل حزم کے پاس ایک کتاب پائی جو حضور ﷺ سے مروی تھی۔ اس میں تھا کہ تمام انگلیاں (دیت میں) برابر ہیں"۔

"عن عبد اللہ بن ابی بکر عن ابیہ عن جدہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کتب لھم کتابا فیہ: وفی الانف اذا اوعب جدعۃ الدیۃ کاملۃ مئۃ ...... مئۃ من الابل" (المصنف جلد ۹ ص ۳۳۸)

اور ایک روایت میں یہ بھی ہے۔

وفی السن خمس من الابل (المصنف جلد ۹ ص ۳۳۴)

"آنحضرت ﷺ نے ان کے لیے ایک تحریر لکھی اس میں تھا کہ ناک جب جڑ سے کاٹی جائے تو اس کی پوری دیت ہوگی سو...... سو اونٹ"۔

اس میں تصریح ہے کہ حضور ﷺ نے خود احکام پر مشتمل ایک کتاب لکھوائی۔ جلیل القدر تابعی امام زہری (۱۲۴ھ) بھی کہتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کی اس کتاب کو پڑھا ہے۔ عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کے پوتے نے انہیں یہ کتاب دی تھی۔ اس کے شروع میں تھا "ھذا بیان من اللہ ورسولہ"۔ یہ کتاب اہل یمن کو پڑھ کر سنائی گئی تھی یہی نسخہ امام زہری کے پاس تھا۔ (تعزیۃ الی اہل الیمن۔ بعد نصیحۃ سنن نسائی جلد ۲ ص ۲۰۸)

حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ (۱۰۱) نے ایک شخص کو مدینہ منورہ بھیجا تھا کہ وہ ٹیکسوں کے بارے میں حضور اکرم ﷺ کی احادیث جمع کرے۔ اسے حدیث کی یہ کتاب عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کے پوتے کے پاس ملی۔ (سنن دار قطنی ص ۵۰۸)

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ (۱۷۹ھ) نے بھی موطا میں اس کتاب کا ذکر کیا ہے۔ (موطا امام مالکؒ ص ۱۸۱ مع تنویر الحوالک کتاب العقول)

حافظ جمال الدین زیلعی (۷۶۲ھ) لکھتے ہیں:

"قال احمد بن حنبل رضی اللّٰہ عنھما کتاب عمرو بن حزم فی الصدقات صحیح قال و احمد یشیر بالصحۃ الی ھذہ الروایۃ لایخیرھا مما سیاتی وقال بعض الحفاظ من المتاخرین و نسخۃ کتاب عمرو بن حزم تلقاہ الائمۃ الاربعۃ بالقبول وھی متوارثۃ کنسخۃ عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ وھی دائرۃ علی سلیمان بن ارقم و سلیمان بن داؤد الخولانی عن الزھری عن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم"

(نصب الرایہ جلد ۲ ص ۳۴۲)

"امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ عمرو بن حزم کی کتاب الصدقات صحیح ہے۔ امام احمد کا اشارہ اس کی روایت کی صحت کی طرف ہے۔ اگلی بات اس کے خلاف نہیں۔ متاخرین کے بعض حفاظ حدیث نے کہا ہے کہ عمرو بن حزم کی اس کتاب کو ائمہ اربعہ نے قبول کیا ہے اور یہ اسی طرح متوارث چلا آرہا ہے۔ جس طرح عمرو بن شعیب کا نسخہ جسے وہ اپنے باپ سے اور پھر اپنے دادا سے نقل کرتے چلے آرہے ہیں اور اس کا مدار سلیمان بن ارقم اور سلیمان بن ابی داؤد پر ہے وہ اسے امام زہری سے نقل کرتے ہیں اور وہ محمد بن عمرو بن حزم سے"۔

اس صحیفہ عمرو بن حزم میں صرف ٹیکسوں کے مسائل ہی نہ تھے۔ عام احکام کی احادیث بھی اس میں بکثرت موجود تھیں۔ نماز، زکوٰۃ، عشر، عمرہ، حج، جہاد، تقسیم غنائم،

جزیہ اور دیات وغیرہ کے مسائل بھی تھے۔

محدث عبدالرزاق نے طہارت کے سلسلہ میں اس کتاب سے یہ روایت نقل فرمائی ہے:

"فی کتاب النبی لعمرو بن حزم لایمس القرآن الا علی طہر" (المصنف جلد ۱ ص ۳۴۲)

"حضور اکرم ﷺ نے جو عمرو بن حزم کے لیے جو کتاب لکھوائی۔ اس میں ہے کہ قرآن کریم کو بغیر طہارت نہ چھوئے"۔

"کتب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) الی عمرو بن حزم حین وجہہ الی نجران ان اخر الفطر و ذکر الناس و عجل الاضحی" (المصنف جلد ۳ ص ۲۸۶)

"رسول اللہ ﷺ کو عمرو بن حزم کو جب نجران بھیجا تو انہیں جو احکام لکھ کر دیے ان میں یہ بھی تھا کہ عید الفطر کی نماز ذرا دیر سے اور عید الاضحیٰ کی نماز ذرا جلدی پڑھیں اور لوگوں کو (خطبہ میں) نصیحت کریں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمہم اللہ کو حدیث کے اس مجموعے کا بخوبی علم تھا وہ اس کی طرف بہت مسائل میں مراجعت کرتے تھے اور اس کے سامنے اپنی رائے چھوڑ بھی دیتے تھے۔ حافظ جمال الدین الزیلعی (۷۶۲ھ) لکھتے ہیں۔

"کان اصحاب النبی ﷺ والتابعون یرجعون الیہ ویدعون الیہ ویدعون ارائہم" (نصب الرایہ للزیلعی جلد ۲ ص ۳۴۲)

"صحابہ کرام اور تابعین عظام اس کی طرف مراجعت کرتے اور اس کی طرف بلاتے اور اپنی آراء کو چھوڑ دیتے"۔

المصنف لعبدالرزاق میں اس صحیفہ عمرو بن حزم کا بہت تذکرہ ملتا ہے اور ان النبی کتب لہم کتابا کے الفاظ کی جگہ آئے ہیں (المصنف جلد ۲ ص ۲، جلد ۸ ص ۲۲۸، ۳۳۳)۔

دار قطنی (دار قطنی ص ۵۵) (۳۸۵ھ) اور سنن بیہقی (سنن کبریٰ جلد ۱ ص ۸۷) (۴۵۸ھ) میں بھی اس کا ذکر پہلے دور کی کتاب کے طور پر موجود ہے۔

یعقوب بن سفیان الفسوی کہتے ہیں:

"لا اعلم فی جمیع الکتب المنقولۃ اصح منہ واصحاب النبی ﷺ والتابعون یرجعون الیہ ویدعون رائھم" (زیلعی جلد ۲ ص ۳۴۱)

"جو کتابیں اب تک نقل ہوتی آ رہی ہیں اس سے زیادہ صحیح کتاب مجھے ان میں نہیں ملی۔ صحابہ کرام اور تابعین اسی کی طرف مراجعت فرماتے تھے اور اپنی باتیں چھوڑ دیتے تھے"۔

صحت روایت اور صحت نسخہ کی اس سے بڑی ضمانت کیا ہو سکتی ہے کہ روایات حضور ﷺ کی اپنی لکھوائی ہوئی ہوں اور اس نسخے کے امین آپ کے ایک صحابی ہوں۔

(۵) صحیفہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ

حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ (۷۳ھ) مسجد نبوی کے مدرس حدیث تھے۔ آپ کے پاس بھی حدیث کی ایک دستاویز تھی۔ محدثین کی ایک بڑی تعداد نے ان سے اس کی روایت لی ہے۔ حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ (۲۴۱ھ) حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ (۱۰۷ھ) کی عجیب قوت حافظہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ صحیفہ جابر رضی اللہ عنہ ان کے سامنے ایک دفعہ پڑھا گیا تو انہیں یاد ہو گیا (تذکرۃ الحفاظ علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ جلد ۱ ص ۱۱۶) حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے خود بھی فرمایا:

"لانا لصحیفۃ جابر احفظ منی لسورۃ البقرۃ" (تہذیب التہذیب جلد ۸ ص ۳۵۲)

"میں صحیفہ جابر کا سورۂ بقرہ سے بھی زیادہ پختہ حافظ ہوں"۔

اس سے صحیفہ جابر کی ضخامت کا بھی کچھ اندازہ ہوتا ہے اور اس روایت سے یہ

پتہ بھی چلتا ہے کہ پہلی صدی کے آخر میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی یہ تحریرات تابعین کے پاس آ چکی تھیں اور خاصی معروف تھیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی اس صحیفہ جابر رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا ہے۔ آپ لکھتے ہیں کہ حضرت سفیان ثوری (۱۶۱ھ) نے بھی اس صحیفہ سے روایات لی ہیں۔ (ایضاً جلد ۲ ص ۲۷)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے شوقِ حدیث کا یہ عالم تھا کہ ایک دفعہ صرف ایک حدیث کی طلب میں جو آپ نے حضور ﷺ سے براہِ راست نہ سنی تھی اور آپ کو اطلاع ملی تھی کہ وہ حدیث حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے سنی ہوئی ہے۔ آپ نے ایک مہینہ بھر کا سفر کیا اور شام پہنچے اور ان سے براہِ راست وہ حدیث سنی۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"رحل جابر بن عبداللہ مسیرۃ شھر الی عبداللہ بن انیس فی حدیث واحد" (صحیح بخاری جلد ۱ ص ۱۷)

"اور جابر بن عبداللہ نے جابر بن انیس کی طرف ایک حدیث کے لیے مہینے بھر کا سفر کیا وہ شام میں تھے"۔

صرف سماع ہی نہیں حدیث لکھنے کا بھی آپ کو بہت شوق تھا۔ ربیع بن سعد کہتے ہیں:

"رأیت جابراً یکتب عند ابن سابط فی الواح"

(جامع بیان العلم جلد ۱ ص ۷۲)

"ابن سابط کے ہاں میں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو تختیوں پر روایات لکھتے دیکھا"۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نواسے عبداللہ بن محمد اور باقر بھی حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، وہ ان سے احادیث لکھا کرتے تھے۔

"(المحدث الفاصل للرامہرمزی ص ۱۲۷)

صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"کتب النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) علی کل بطن

عقوله ثم كتب انه لايحل ان يتوالى مولى رجل مسلم بغير اذنه ثم اخبرت انه لعن في صحيفة من فعل ذلك" (صحیح مسلم جلد ا ص ۴۹۵)

"آنحضرت ﷺ نے لکھوایا کہ ہر قبیلہ (بطن) پر اس کے خونبہا لازم آئیں گے۔ پھر آپ نے یہ لکھوایا کہ کوئی شخص کسی دوسرے مسلمان کا متولی نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ دوسرا اسے اس کا اذن نہ دے، پھر مجھے پتہ چلا کہ آپ نے اس شخص پر لعنت لکھوائی جو ایسا کرے"۔

پھر ابوالزبیر کہتے ہیں کہ صحیفہ جابر رضی اللہ عنہ میں اس کردار پر لعنت کی گئی۔ نفس مسئلہ اپنی جگہ رہا تاہم اس سے پتہ چلتا ہے کہ صحیفہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ ان دنوں بھی موجود اور معروف تھا۔

حافظ ذہبی کے بیان سے پتہ چلتا ہے کہ اس صحیفہ کے علاوہ حج پر بھی آپ کی ایک مختصر تالیف تھی۔ آپ فرماتے ہیں۔"وله منسک صغير في الحج"۔
(تذکرۃ الحفاظ جلد ا ص ۴۱)

امام مسلم نے صحیح کتاب الحج میں حجۃ الوداع کی روایت بڑی طویل ذکر کی ہے۔ اور یہ صحیح ہے کہ وقائع حجۃ الوداع کے سب سے بڑے حافظ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ صحیح مسلم میں ان کا رسالہ منسک صغیر پورا لے لیا گیا ہے۔ ذکره الذهبي في التذكره

صحیفہ جابر رضی اللہ عنہ سے مشہور محدث معمر بن راشد نے بھی احادیث روایت کی ہیں۔ (دیکھیے المصنف لعبدالرزاق جلد ۱۱ ص ۱۸۳) صحیفہ جابر کی ایک نقل اسماعیل بن عبدالکریم کے پاس بھی تھی جو وہب بن منبہ کی تحریر کردہ تھی۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۳۱۵)

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایات اسی صحیفہ جابرؓ سے لی تھیں۔ (ایضاً جلد ۲ ص ۲۶۷)

(۲) صحیفہ حضرت سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ (۵۹ھ) نے بھی کچھ احادیث جمع کی تھیں۔ ابن سیرین (۱۱۰ھ) فرماتے ہیں کہ اس میں علم کثیر موجود ہے۔ (تہذیب التہذیب جلد ۴ ص ۲۳۶)

امام حسن البصری (۱۱۰ھ) اسے روایت کرتے تھے۔ (ایضاً جلد ۲ ص ۲۶۹)

ابن حجر عسقلانی اسے نسخہ کبیرہ کہہ کر ذکر کرتے تھے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس میں کثیر حدیثی مواد موجود تھا۔ امام ترمذی اپنی سنن میں لکھتے ہیں:

"قال علي بن المديني سماع الحسن من سمرة صحيح وقد تكلم بعض اهل الحديث في رواية الحسن عن سمرة وقالوا انما يحدث عن صحيفة سمرة" (جامع ترمذی جلد ا ص ۵۵)

"امام علی بن المدینی (۲۳۴ھ) کہتے ہیں حسن البصری کا سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے احادیث سننا صحیح ہے۔ لیکن بعض محدثین نے اس میں کلام کیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ حسن حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ کے صحیفے سے روایت کرتے تھے۔ خود انہوں نے حضرت سمرہ سے احادیث نہیں سنیں"۔

حضرت حسن البصری کی سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت براہ راست ہو یا ان کے صحیفہ سے لیکن یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے کہ اس دور میں حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کا جمع کردہ یہ مجموعہ حدیث موجود اور معروف تھا اور محدثین روایت میں اس سے مدد لیتے تھے۔

یحییٰ بن سعید القطان کہتے ہیں کہ حسن البصری نے جتنی روایات حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے کی ہیں سب اسی صحیفہ سے ماخوذ ہیں۔ (طبقات ابن سعد جلد ۷ ص)

ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ) نے اس صحیفہ سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کا متعدد

مقامات پر ذکر کیا ہے۔ حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کے بعد یہ مجموعہ حدیث ان کے صاحبزادے سلیمان کے پاس رہا۔ پھر ان کے بعد ان کے بیٹے حبیب بن سلیمان کی تحویل میں رہا۔ سلیمان اور حبیب دونوں نے اس مجموعہ سے احادیث روایت کی ہیں۔

(۷) کتاب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ (۱۸ھ) کا شمار فضلاء صحابہ رضی اللہ عنہم میں ہوتا ہے۔ آپ انصار میں سے تھے اور علم و فضل میں مجتہد کا درجہ رکھتے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے آپ کو یمن کا قاضی اور معلم بنایا تو آپ نے حضورؐ کی خدمت میں عرض کی کہ مسائل غیر منصوصہ میں وہ اجتہاد کریں گے۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے اظہار مسرت فرمایا اور آپ کو مجتہد ہونے کی عزت و کرامت فرمائی۔ ارشاد فرمایا:

"الحمد لله الذی وفق رسول رسول الله لما یرضی به رسول الله" (طبقات ابن سعد جلد ۷)

"سب تعریف اللہ (رب العزت) کے لیے، جس نے اپنے رسول کے قاصد کو اس چیز کی توفیق بخشی۔ جس سے اللہ کا رسول راضی ہو"۔

حدیث کی کتب مدوّنہ سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے بھی حدیث کا ایک مجموعہ ترتیب دے رکھا تھا۔ حضرت ابن طاؤس اپنے والد طاؤس بن کیسان (۱۰۵ھ) سے روایت کرتے ہیں:

"فی کتاب معاذ بن جبل من ارتهن ارضاً فهو يحتسب لثمرها لصاحب الرهن من عام حج النبی (صلی الله عليه وسلم)" (رواہ الترمذی وابو داؤد والدارمی کمافی المشکوٰۃ ص ۲۴۳)

"حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی کتاب میں تھا کہ جس شخص نے زمین رہن لی تو وہ پھلوں سمیت مالک کی ہی رہے گی"۔

ابن طاؤس رضی اللہ عنہ بار بار اپنے والد سے ایک کتاب کا ذکر کرتے ہیں اور اسے حضور اکرم ﷺ کی کتاب بتلاتے ہیں۔ ابن جریج (۱۵۰ھ) کہتے ہیں:

"اخبرنی ابن طاؤس قال عند ابی کتاب عن النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) فیہ وفی الید خمسون وفی الرجل خمسون" (المصنف جلد ۹، ۳۸۱)

"حضرت ابن طاؤس نے مجھے خبر دی کہ میرے باپ کے پاس آنحضرت ﷺ سے منقول ایک کتاب تھی۔ اس میں تحریر تھا کہ ہاتھ اور پاؤں کی دیت پچاس اونٹ ہیں"۔

"اخبرنی ابن طاؤس قال عند ابی کتاب عن النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) فیہ واذا قطع الذکر ففیہ مئۃ ناقۃ قد انقطعت شہوتہ وذہب نسلہ" (ایضاً ص ۳۷۳)

"حضرت ابن طاؤس کہتے ہیں کہ میرے باپ کے پاس حضور ﷺ کی فرمودہ ایک کتاب تھی جس میں لکھا تھا کہ کسی شخص کا آلۂ تناسل کاٹ دیا جائے تو اس میں سو اونٹ دیت لازم آئے گی۔ اس کا جوہر مردانہ جاتا رہا اور اس کی نسل (کی راہ) بھی گئی"۔

"عند ابی کتاب فیہ ذکر من العقول جاء بہ الوحی الی النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) الہ ماقضی بہ النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) من عقل او صدقۃ فانہ جاء بہ الوحی" (المصنف جلد ۹، ص ۳۷۹)

"میرے باپ کے پاس ایک کتاب تھی جس میں خونبہا اور دیت کے مسائل تھے۔ یہ مسائل وحی کے ذریعہ حضور اکرم ﷺ کو بتلائے گئے تھے۔ حضور ﷺ نے خونبہا کی یا صدقہ کی جس بات کا بھی فیصلہ فرمایا وہ وحی خداوندی سے تھا"

اسی روایت میں جہاں یہ تصریح ہے کہ آنحضرت ﷺ پر وحی غیر متلو بھی اُترتی تھی وہاں یہ بات بھی موجود ہے کہ اس دور میں حضور اکرم ﷺ کی احادیث کسی نہ کسی درجے میں کتابی شکل پائے ہوئے تھیں۔ ابن طاؤس ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

"عند ابی کتاب عن النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) فیہ وفی الاصابع عشر عشر" (ایضاً جلد ۱۰ص۲۸۴)

"میرے باپ کے پاس حضور اکرم ﷺ کی ایک کتاب تھی جس میں لکھا تھا کہ انگلیوں کی دیت دس دس اُونٹ ہیں"۔

ان روایات میں اس کتاب کا نام مذکور نہیں۔ جو حضرت طاؤس بن کیسان کے پاس تھی اور وہ حضور ﷺ کی لکھوائی ہوئی تھیں۔ لیکن محدث عبدالرزاق المصنف باب..... حضرت طاؤس رضی اللہ عنہ کے پاس حضور اکرم ﷺ کی لکھوائی ہوئی کتاب ہوگی۔ جو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے مرتب کی تھی۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے نہایت معتمد اور مقرب صحابی تھے۔ اور اُن ستر صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے تھے جنہوں نے عقبہ ثانیہ میں حضور ﷺ کی بیعت کی تھی۔

(۸) کتاب حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پوتے عبدالحمید کے پاس اُن کے دادا کی ایک کتاب موجود تھی جس میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے حضور ﷺ کے عہد کے بعض واقعات کو قلمبند کر رکھا تھا۔ حضرت یحییٰ بن سعید انصاری کہتے ہیں کہ عبدالحمید نے اس کتاب کی ایک نقل انہیں بھی دی تھی۔ اس کی ابتدائی عبارت یہ تھی:

"ھذا ما کتب عبداللہ بن عمر" (تہذیب التہذیب جلد ۶ ص۱۱۸)

"یہ وہ کتاب ہے جو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے لکھی تھی"

اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی کچھ تحریریں تیار کر چکے تھے۔ آپ کے شاگرد اور آزاد کردہ غلام حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ کا حدیث لکھنے کا شوق اور عمل بھی اس کی تائید کرتا ہے۔

سلیمان بن موسیٰ حضرت نافع کے بارے میں لکھتے ہیں کہ وہ حدیثیں املا کرتے ہیں اور وہ ان کے سامنے لکھی جاتی تھیں۔ (سنن داری جلد ا ص ۱۰۵)

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ (۹۵ھ) بھی جب ان سے احادیث سنتے تو لکھتے جاتے۔ آپ بیان کرتے ہیں:

"کنت اسمع من ابن عمر و ابن عباس الحدیث باللیل فکتبه فی واسطة الرحل" (ایضا)

"میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے رات کو حدیثیں لکھا کرتا تھا میں اسے پالان کے سہارے لکھ لیتا تھا"۔

(۹) کتاب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما (۶۸ھ) نے بھی حدیث کی ایک مقدار لکھ لی تھی۔ لوگ دور دور سے آکر ان روایات کی سند لیتے تھے۔

حضرت عکرمہ کہتے ہیں کہ ایک وفد بعل الطائف سے کچھ لوگ آپ کے پاس آئے۔ ان کے پاس آپ کی تحریرات میں سے ایک تحریر تھی۔ آپ نے انہیں کہا کہ یہ مجھے سناؤ میرا ان کا اقرار کرنا اس طرح ہے گویا کہ میں نے تمہیں پڑھ کر سنائیں۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کتاب العلل میں لکھتے ہیں:

"عن عکرمة ان نفرا قدموا علی ابن عباس من بعل الطائف بکتاب من کتبه فجعل یقرأ علیهم فیقدم ویؤخر فقال انی بلهت لهذه المصیبة فاقرؤا علی فان اقراری به کقرأتی علیکم" (ترمذی شریف کتاب العلل جلد ۲ ص ۲۳۸)

"حضرت عکرمہ سے روایت ہے کہ بعل الطائف سے کچھ لوگ حضرت عبداللہ کے پاس ان کی تحریروں میں سے ایک کتاب

لانے۔ آپ نے اسے ان کے سامنے پڑھنا شروع کیا اور تقدیم و
تاخیر فرمائی۔ آپ نے کہا کہ میں اس مصیبت سے پریشان ہو گیا
ہوں۔ تم ہی اسے میرے سامنے پڑھو۔ میرا اس کا اقرار کرنے جانا
اس طرح ہے کہ گویا میں نے ہی اسے تمہارے سنا پڑھا''۔

اس میں آپ نے تعلیم دی کہ تم میرے اقرار کی بنیاد پر بھی اسے میری طرف سے روایت کر سکتے ہو۔ ضروری نہیں کہ تم نے اس کا لفظ لفظ مجھ سے ہی سنا ہو۔

کتاب ابن عباس رضی اللہ عنہ کی شہادت صحیح مسلم شریف کی ایک روایت سے بھی ملتی ہے۔ امام مسلم نقل کرتے ہیں کہ آپ کے پاس ایک کتاب لائی گئی جس میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے کچھ فیصلے درج تھے۔ آپ نے اس سے اپنی کتاب میں کچھ لکھا بھی اور بعض چیزوں کے بارے میں کہا کہ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہرگز نہ کہا ہوگا۔ صحیح مسلم میں ہے:

"فدعا بقضاء علي فجعل يكتب منه اشياء ويمر به
الشئي فيقول و الله ما قضى بهذا علي الا ان يكون
ضل" (صحیح مسلم جلد ا ص ۱۰)

"آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فیصلے منگوائے ان میں سے
بعض چیزوں کے نوٹ بھی لیے اور کئی باتیں آپ کے سامنے سے
اس طرح بھی گزریں۔ کہ آپ کہتے گئے بخدا علی رضی اللہ عنہ نے
یہ فیصلہ نہ کیا ہوگا۔ مگر یہ کہ کہیں بھٹک گئے ہوں"۔

اس سے جہاں یہ پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اپنی کتاب کے بارے میں بہت محتاط تھے۔ وہاں اس بات کی بھی شہادت ملتی ہے کہ اس دور میں ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نام سے افتراآت کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ شیعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نام پر جو کچھ کہتے تھے وہ آپ کی تعلیمات نہ تھیں۔ سو علماء اہلسنت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی انہیں روایات پر اعتماد کرتے تھے جو کوفہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود

رضی اللہ عنہ کے شاگردوں سے منقول ہوں۔ کوشش یہی ایک سند علم ایسی تھی جہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی صحیح تعلیمات شیعی تقیہ سے محفوظ رہ سکی تھیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ ان پر تنقیدی نظر رکھتے تھے۔

(۱۰) کتاب سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سرداران انصار میں سے تھے۔ قبل از اسلام بھی لکھنا جانتے تھے۔ حدیث کی مدون کتابوں کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے حدیث کا کوئی مجموعہ ترتیب دے رکھا تھا۔

ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن (۱۳۶ھ) کہتے ہیں کہ انہیں سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے ایک لڑکے نے اپنے باپ سعد رضی اللہ عنہ (۱۵ھ) کی کتاب سے ایک حدیث سنائی۔ امام ترمذی لکھتے ہیں۔

"قال ربیعة واخبرني ابن سعد بن عبادہ قال وجدنا في کتاب سعد ان النبي (صلی اللہ علیه وسلم) قضی بالیمین مع الشاهد" (جامع ترمذی جلد ۱ ص ۱۶۰)

"حضرت ربیعہ (۱۳۶ھ) کہتے ہیں مجھے سعد بن عبادہ کے بیٹے نے بتلایا کہ ہم نے حضرت سعد کی (جمع کردہ) کتاب میں یہ حدیث پائی۔ کہ آنحضرت ﷺ نے قسم پر ایک گواہ کے ساتھ فیصلہ فرمایا"۔

حدیث کی یہ وہ تحریرات و دستاویزات ہیں جو بیشتر عہد نبوی میں ہی قلمبند ہو چکی تھیں۔ یہ صحیح ہے کہ ان کاتبین حدیث میں آپ کو ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا (۵۸ھ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ (۵۷ھ) اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ (۹۱ھ) کا نام نہ ملے گا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات کے پاس

حدیثوں کو زبانی یاد رکھنا اور آگے روایت کرنا زیادہ اہم سمجھا جاتا تھا۔ لیکن جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی مرویات کو ان کے بھانجے حضرت عروہ بن زبیر (۹۴ھ)(۱) نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرویات کو ان کے شاگرد ہمام بن منبہ (۱۰۱ھ)(۲) اور بشیر بن نہیک (۹۹ھ)(۳) اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی مرویات کو ان کے شاگرد حضرت ابان بن عثمان (۱۰۵ھ) نے استاد کے سامنے قلمبند

۱۔ حضرت عروہ بن الزبیر نے یہاں تک مرویات ام المومنین جمع کر لی تھیں کہ برملا فرمایا کرتے "میں حضرت عائشہ صدیقہ کی وفات سے چار پانچ سال پہلے اس گمان پر آ چکا تھا۔ کہ اگر آج ان کا انتقال ہو جائے مجھے اس بات پر پشیمانی نہ ہوگی۔ کہ میں نے ان کی روایت کردہ کوئی حدیث محفوظ نہ کی ہو۔ حضرت عمرہ بن عبدالرحمٰن (۱۵ھ) حضرت ام المومنین کے علوم کے وارث تھے۔ مشہور محدث سفیان بن عیینہ کہتے ہیں۔ کہ حضرت عائشہ کی روایات کا سب سے زیادہ علم عروہ، عمرہ اور قاسم کے پاس تھا۔ تہذیب التہذیب جلد ۷، ص ۸۲؛ جلد ۸، ص ۲۳۲ عمرہ تو حضرت ام المومنین کی زندگی میں ہی ان کی احادیث حضرت عمر بن عبدالعزیز کے حکم سے پورے اہتمام سے لکھوالی گئیں۔ آپ نے حضرت عمرہ کے بھانجے ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم کو لکھا کہ حضرت عمرہ کی احادیث قلمبند کریں۔ تہذیب التہذیب جلد ۱۲، ص ۴۳۹، بعض روایات میں ہے کہ حضرت قاسم بن محمد کی مروی احادیث بھی ساتھ ہی جمع کی گئیں تھیں۔

۲۔ ہمام بن منبہ کے اس مجموعہ کا نام الصحیفۃ الصحیحہ تھا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے انہیں یہ حدیثیں خود قلمبند کرائی تھی، یہ صحیفہ اب صحیفہ ہمام بن منبہ کے نام سے ایک مقدمے کے ساتھ حال میں چھپ چکا ہے۔ یہ کتاب اس وقت حدیث کی قدیم ترین کتاب ہے جو مل سکتی ہے۔

۳۔ آپ نے بھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ احادیث بڑے اہتمام سے جمع کی تھیں۔ آپ کہتے ہیں۔ "فلما اردت ان افارقه اتيته بكتابه فقرأت عليه" "میں نے جب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے الوداع ہونا چاہا تو آپ کے پاس حاضر ہوا اور تمام روایات آپ کو پڑھ کر سنائیں۔ آپ نے ان کی تصدیق فرمائی" دیکھیے سنن دارمی جلد ۱ ص ۱۰۵، جامع بیان العلم جلد ۱، ص ۷۲، طبقات ابن سعد جلد ۷، ص ۲۲۳۔

کرنا شروع کر دیا تھا۔ تو پھر یہ موضوع اور بھی بہت واضح ہو جاتا ہے۔ خود حضرت انسؓ کے پاس بھی حدیث کی کئی بیاضیں موجود تھیں۔ جن کی شہادت سعید بن ہلال کے بیان میں بہت واضح طور پر ملتی ہے۔ (دیکھیے مستدرک حاکم جلد میں معرفۃ الصحابہ جلد ۳ ص ۵۷۳) کہ حدیث کی تدوین اس پہلے دور میں ہی شروع ہو چکی تھی۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دو ہزار دو سو دس حدیثیں مروی ہیں۔ جن میں سے ۲۲۸ صحیح بخاری میں اور ۲۳۲ صحیح مسلم میں منقول ہیں۔ ان میں سے ۱۷۴ پر دونوں امام متفق ہیں۔ باقی مرویات دیگر حدیثی ذخائر میں ملتی ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پانچ ہزار تین سو چوہتر حدیثیں مروی ہیں۔ جن میں سے صحیح بخاری میں ۴۴۸ اور صحیح مسلم میں ۵۴۵ منقول ہیں۔ ۲۵۵ پر دونوں امام متفق ہیں اور باقی روایات دیگر کتب حدیث میں موجود ہیں۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ جن کی زیارت کا شرف امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی پایا۔ ان سے دو ہزار دو سو چھیاسی حدیثیں مروی ہیں جن میں سے ۲۵۱ صحیح بخاری میں اور ۲۵۹ صحیح مسلم میں مروی ہیں۔ ان میں سے ۱۶۸ پر دونوں امام متفق ہیں۔ ان کی باقی احادیث دیگر کتاب میں منقول ہیں۔

ان جہاندہ علم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے ان کے شاگردوں (تابعین کرام رحمہم اللہ) نے حدیث لکھنی شروع کر دی تھی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کی اپنی تحریرات کے بعد تدوین حدیث کا یہ دوسرا دور تھا۔ ایک ایک حدیث کے لیے یہ حضرات دور دراز کے سفر کرتے تھے اور اس تمام محنت کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں عبادت سمجھا جاتا رہا۔

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ شام کی ایک مسجد میں بیٹھے تھے کہ ایک شخص آیا اور اس نے کہا:

"یا ابا الدرداء انی جئتک من مدینۃ الرسول ﷺ لحدیث بلغنی انک تحدثہ عن رسول اللہ ﷺ ماجئت لحاجۃ"

(رواہ احمد والدارمی والترمذی وابو داؤد وابن ماجہ کمافی المشکوٰۃ ج ص ۳۴)

"میں مدینہ منورہ سے آپ کے پاس حضور اکرم ﷺ کی ایک
حدیث سننے کے لیے حاضر ہوا مجھے پتہ چلا تھا کہ وہ حدیث آپ
نے حضور ﷺ سے سنی تھی۔ میں یہاں کسی اور کام کے لیے
حاضر نہیں ہوتا"۔

حضور ﷺ کے زمانے میں روایت حدیث اور تدوین حدیث کی یہ کوششیں صرف اسی ماحول میں جاری تھیں۔ جہاں قرآن میں غیر قرآن کے التباس کا اندیشہ نہ تھا اور وہ بھی زیادہ تر اسی لیے کہ یہ حضرات ان روایتوں کو بھول نہ جائیں۔ ورنہ جو حضرات اپنی قوت حافظہ پر زیادہ اعتماد رکھتے تھے۔ ان کے ہاں مدتوں زبانی نقل و روایت اور بار بار کے مذاکرات حدیث سے ہی اس متاع علمی کا پہرہ دیا جاتا رہا۔ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ وغیرہم نے بھی احادیث کے مجموعے تیار کیے۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ (۷۲ھ) حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ (۴۵ھ) اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ذوق حدیث اور ان کی مرویات کے قلمبند کیے جانے سے کون آشنا نہیں۔ عبداللہ بن حنش کہتے ہیں میں نے حضرت براء کے پاس لوگوں کو قلمیں ہاتھ میں لیے (حدیثیں) لکھتے پایا۔ (سنن دارمی جلد ۱ ص ۱۰۶، جامع بیان العلم جلد ۱ ص ۷۲)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث سنی تو اسے فوراً لکھوا لیا۔ (مسند امام احمد جلد ۵ ص ۱۸۲)

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ گو حدیث لکھنے کے خلاف تھے۔ لیکن یہ بھی صحیح ہے کہ آپ کی مرویات بھی (گو آپ کی مرضی سے نہیں) قلمبند کی جاتی رہیں۔

(سنن دارمی جلد ۱ ص ۱۰۱)

اور انہیں اکابر تابعین نے آگے روایت کیا تو اس وقت اس بات کا قطعاً کوئی

مقصد باقی نہ رہا تھا، کہ قرآن کریم غیر قرآن سے مختلط ہو جائے اس لیے یہ حضرات اس دور میں بڑے اہتمام اور بڑی ہمت سے احادیث قلمبند کرتے رہے اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے اس سلسلہ میں خاص محنت فرمائی تھی۔

☆☆☆☆☆
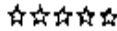
تیسرا باب

عہدِ رسالت ﷺ کے محدثین کرام

صحابہ رضی اللہ عنہم میں فقہائے حدیث

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں فقہائے حدیث بڑی تعداد میں تھے لیکن بطور نمونہ ہم یہاں چند بزرگوں کا تذکرہ کرتے ہیں۔ فقہ حدیث کی ریاست اُن پر تمام تھی، یہ کیا قمر رسالت کا علمی ہالہ اور علم رسالت کا عملی اُجالا تھے۔

- ☆ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ (م ۱۸ھ)
- ☆ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ (۱۹ھ)
- ☆ فقیہ عراق حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (م ۳۲ھ)
- ☆ فقیہ شام حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ (م ۳۲ھ)
- ☆ فقیہ عراق حضرت علی رضی اللہ عنہ (م ۴۰ھ)
- ☆ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ (م ۴۵ھ)
- ☆ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ (م ۵۲ھ)
- ☆ فقیہ مکہ ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ (م ۶۸ھ)
- ☆ فقیہ مدینہ حبر الامۃ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ (م ۷۳ھ)
- ☆ حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ (م ۷۸ھ)۔

اب ہم عہدِ نبوی ﷺ کے فقہائے صحابہ رضی اللہ عنہم کا مندرجہ بالا ترتیب سے ذکر کریں گے۔

(۱) حضرت معاذ بن جبل انصاری رضی اللہ عنہ

آپ کا اسم گرامی معاذ کنیت ابو عبدالرحمٰن لقب عالم ربانی۔ امام الفقہا و کنز العلماء والد کا نام جبل تھا۔

پیدائش

آپ کی ولادت باسعادت مدینہ میں قبل ہجرت انیس سال ۶۰۴ھ میں ہوئی۔ نام معاذ رضی اللہ عنہ رکھا گیا۔

سلسلہ نسب

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بن جبل بن عمرو بن اوس بن عائذ بن عدی بن کعب بن عمرو بن ادی بن سعد۔۔۔۔الخ

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا تعلق انصار کے قبیلہ خزرج سے تھا اور وہ اس کی ایک شاخ ادی بن سعد کے چشم و چراغ تھے۔ اور بچپن ہی میں تمام آلودگیوں سے کنارہ کش رہے۔ اور رفاہی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ اور شروع ہی سے سلیم الفطرت۔ سادگی۔ رقیق القلب۔ محتاجوں بیکسوں کے سہارا اتالیاں ماں باپ تھے۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا عالم شباب تھا کہ بعض یثرب کے رہنے والوں سے کچھ عجیب باتیں سنی گئی، ان لوگوں نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو بتایا کہ مکہ معظمہ میں آخر الزمان نبی مبعوث ہوئے ہیں جو شرک اور بت پرستی کی مذمت کرتے ہیں اور لوگوں کو خدائے وحدہٗ لاشریک کی پرستش کرنے کی تعلیم دیتے ہیں۔ جھوٹ۔ دھوکہ بازی۔ جوا۔ شراب خوری۔ الزام تراشی اور زنا کاری سے باز رہنے کی تلقین فرماتے ہیں۔ نوجوان معاذ رضی اللہ عنہ کو خداوند کریم نے فطرت سلیم عطا کی ہوئی تھی وہ ان باتوں سے بے حد متاثر ہوئے۔ بعثت نبوت کے بارہویں سال جب حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ اسلام کے داعی اوّل کی حیثیت سے یثرب تشریف لائے اور لوگوں کو دعوت توحید دینی

شروع کی تو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فوراً ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام کی نعمت عظمیٰ سے بہرہ یاب ہو گئے اس وقت ان کی عمر صرف اٹھارہ سال کی تھی۔

قرآن کریم کے چار معلم

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ "قرآن کریم چار سے سیکھو (۱) ابن ام عبد سے (۲) معاذ بن جبل سے (۳) ابی بن کعب سے (۴) اور ابو حذیفہ کے آزاد کردہ غلام سالم سے۔ رضی اللہ عنہم

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے دور میں چار آدمیوں نے قرآن جمع کیا (۱) ابی بن کعب (۲) معاذ بن جبل (۳) زید بن ثابت اور (۴) ابو زید نے۔ رضی اللہ عنہم۔ قتادہ کہتے ہیں میں نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا ابوزید کون ہیں؟ فرمایا میرے چچاؤں میں سے ایک تھے۔

علم حدیث میں بلند مقام

حضرت ابو مسلم خولانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں حمص کی جامع مسجد میں داخل ہوا تو اس میں تقریباً تیس ادھیڑ عمر کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تشریف فرما تھے اور ان میں ایک سرگیں آنکھوں اور چمکیلے دانتوں والے ایک نوجوان خاموش وچپ چاپ بیٹھے تھے جب وہ کسی چیز میں شک کرتے تو اس نوجوان کی طرف متوجہ ہو کر پوچھتے، میں نے اپنے ایک ساتھی سے پوچھا یہ کون ہیں؟ اس نے بتایا یہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، تو میرے دل میں ان کی محبت بیٹھ گئی اور میں ان کے متفرق ہونے تک ان کے ساتھ بیٹھا رہا۔

ابو بحریہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں میں حمص کی جامع مسجد میں داخل ہوا تو ایک نوجوان بیٹھا تھا جس کے ارد گرد لوگوں کا جھرمٹ تھا، جب وہ بات کرتا تو اس کے منہ سے نور اور موتی جھڑتے تھے۔ میں نے پوچھا یہ کون ہے؟ انہوں نے بتایا یہ حضرت معاذ

بن جبل رضی اللہ عنہ ہیں۔

آپ رضی اللہ عنہ ان ستر (۷۰) صحابہ رضی اللہ عنہم سے ہیں جو بیعت عقبہ میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

"اعلمهم بالحلال والحرام معاذ بن جبل" (مشکوٰۃ ۵۲۶، رواہ احمد والترمذی وقال ہذا حدیث حسن صحیح)

ان میں حلال و حرام کا سب سے زیادہ علم رکھنے والے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ہیں۔

آپ کی فقہی شان کی ایک یہ بھی شہادت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے آپ کو یمن کا قاضی بنا کر بھیجا اور انہیں مسائل غیر منصوصہ میں اجتہاد کرنے کی اجازت دی۔ آپ کی نظر میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ایک مجتہد کی پوری اہلیت رکھتے تھے اور بجا طور پر ایک حاذق مجتہد تھے۔ حضور ﷺ نے اس سلسلہ میں آپ رضی اللہ عنہ کو رسول رسول اللہ کے عنوان سے ذکر کیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔

"الحمد لله الذي وفق رسول رسول الله لما يرضى به رسول الله" (مشکوٰۃ ص ۳۲۴)

سب تعریف اس خدا کی جس نے اپنے رسول کے رسول کو اس بات کی توفیق دی جس سے اللہ کا رسول راضی ہو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جابیہ میں جو تاریخی خطبہ دیا تھا اس میں فرمایا تھا کہ:

"من اراد ان يسال عن الفقه فليات معاذا ومن اراد ان يسال عن المال فلياتني فان الله جعلني له خازنا وقاسما" (تذکرۃ الحفاظ ج۱ ص۲۰)

"جو شخص فقہ کا کوئی مسئلہ جاننا چاہے وہ معاذ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور جو شخص مال کے بارے میں سوال کرنا چاہے وہ میرے

پاس آئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ان کا خازن اور تقسیم کنندہ بنایا ہے"۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد سے پتہ چلتا ہے کہ عہد صحابہ رضی اللہ عنہم میں علم فقہ کی کیا عظمت تھی اور عہد صحابہ رضی اللہ عنہم کی اجتہادی شان کے کیا چرچے ہوتے تھے۔

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے ذکر میں لکھتے ہیں:

"كان من نجباء الصحابة وفقهائهم" (ایضاً ص ۱۸)

آپ بلند شان صحابہ اور ان کے فقہا میں سے تھے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے صرف ۱۵۷ احادیث مروی ہیں۔ ان کی رواۃ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ۔ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ جیسے اکابر صحابہ شامل ہیں۔ مشہور تلامذہ میں سے حضرت ابوثعلبہ خشنی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت ابومسلم خولانی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت اسود بن ہلال رحمۃ اللہ علیہ۔ حضرت مسروق رحمۃ اللہ علیہ۔ حضرت ادریس خولانی رحمۃ اللہ علیہ۔ حضرت جنادہ بن ابی امیہ رحمۃ اللہ علیہ۔ ابن ابی اوفیٰ رحمۃ اللہ علیہ۔ حضرت عبداللہ صنابحی رحمۃ اللہ علیہ۔ حضرت اسلم مولیٰ حضرت عمر رحمۃ اللہ علیہ۔

حُلیہ مبارک

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا رنگ سرخ و سپید۔ طویل قد۔ روشن آنکھیں۔ ابرو پیوستہ۔ بال گھنگھریالے۔ دانت صاف اور چمکدار جب آپ ﷺ بات کرتے تو منہ سے نور کی شعاعیں پھوٹتی معلوم ہوتی تھیں۔ جسم مضبوط آواز میں شہد کی شیرینی تھی جو شخص ایک لمحہ مجلس میں بیٹھ جاتا آپ کا گرویدہ ہو جاتا تھا۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ ممتاز فقیہ۔ حافظ قرآن۔ مستجاب الدعوات۔ لوگوں میں

بے حد مقبول ۔ السابقون الاولون ۔ عاشق رسول ۔ ثانی الرسول۔ الصلوٰۃ معراج المومن۔ بدری صحابی ۔ عالم ربانی ۔ کنز العلماء ۔ امام الفقہاء ۔ تعبداللہ کا ٹک تراو۔ جوانمرد بہادر۔ متوکل قانع ۔ عابدزاہد۔ متقی ۔ فیاضی اور جود وسخا میں بے مثل سمندر نمایاں الیواب تھے ۔ رضی اللہ عنہ

(۲) حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سید المہاجرین ہیں تو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سید الانصار تھے۔ آپ سے بڑے جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم نے روایات لی ہیں۔ اور حضرت ابوایوب انصاری، عبداللہ بن عباس اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم جیسے اکابر نے آپ سے کتاب وسنت کی تعلیم پائی۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں۔

"حملوا عنه الكتاب والسنة" (تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۱۶)

آپ سے ان صحابہ نے کتاب وسنت کا علم حاصل کیا۔

آپ رضی اللہ عنہ کی شخصیت اتنی اونچی تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی بعض دفعہ علمی مسائل میں آپ کی طرف رجوع فرماتے۔ آپ رضی اللہ عنہ صحابہ میں سب سے زیادہ قرآن پڑھنے والے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

" اقرء هم ابی بن کعب " (مشکوۃ ص ۵۵۶، رواہ احمد والترمذی)

صحابہ رضی اللہ عنہم میں سب سے زیادہ قرآن پڑھے ہوئے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ہیں۔

حضرت مسروق رضی اللہ عنہ تابعی (۱۲۰ھ) نے جن چھ بزرگوں کو مرکز فتویٰ تسلیم کیا ہے اُن میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۰)

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

" اقرء الصحابة وسيد القراء شهد بدراً وجمع بين العلم والعمل " (ایضاً ص ۱۶)

"صحابہ رضی اللہ عنہم میں سب سے بڑے قاری، قاریوں کے سردار، جنگ بدر میں شامل ہونے والے اور علم وعمل کے جامع تھے"۔

آنحضرت ﷺ نے رمضان شریف میں صرف تین راتیں تراویح کی نماز پڑھائی اور پھر تراویح کے لیے مسجد میں تشریف نہ لائے کہ آپ ﷺ کی مواظبت سے

یہ نماز اُمت پر واجب نہ ٹھہرے حضور ﷺ کی عدم موجودگی میں صحابہ رضی اللہ عنہم مسجد میں تراویح کی نماز علیحدہ علیحدہ جماعتوں میں ادا کرتے رہے۔ ایک رات حضور ﷺ اتفاقاً وہاں تشریف لائے تو دیکھا کہ حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ مسجد کی ایک طرف تراویح پڑھا رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے پوچھا اور جواب ملنے پر ان کے عمل کی تصویب فرمائی۔ ارشاد فرمایا:

"اصابوا و نعم ما صنعوا" (سنن ابی داؤد، ج ا، ص ۱۲۸)

انہوں نے درست کیا اور اچھا ہے جو انہوں نے کیا۔

اس سے پتہ چلا کہ تراویح کی نماز ان دنوں بھی جماعت سے جاری تھی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ بات جب حضور ﷺ کے نوٹس میں آئی تو آپ ﷺ نے اسے صحیح عمل قرار دیا۔ اس سے منع نہیں کیا۔

حضور ﷺ کے مسجد میں تراویح نہ پڑھانے کو نسخ تراویح نہ سمجھنا اور امت میں اس عمل کو پورا مہینہ باقی رکھنا یہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا ہی اجتہاد تھا۔ جس نے آنحضرت ﷺ سے شرف تائید پایا اور امت میں یہ عمل آج تک جاری ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جن دو صحابہ رضی اللہ عنہم کو تراویح پڑھانے پر مامور کیا تھا۔ وہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ ہی تھے۔

خطیب تبریزی لکھتے ہیں:

"احد الفقهاء الذين كانوا يفتون على عهد رسول الله ﷺ" (الاکمال ص ۱۰۱۵)

آپ اُن فقہائے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے تھے جو آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک میں بھی فتویٰ دیتے تھے۔

حضور ﷺ نے ایک مرتبہ آپ سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تم پر قرآن پڑھوں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے میرا نام لے کر کہا ہے حضور ﷺ نے فرمایا ہاں، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ پر رقت طاری ہوگئی اور

رونے لگے جس دن آپ رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"الیوم مات سید المسلمین" (تذکرہ ج ۱ ص ۱۱)

آج مسلمانوں کے سردار چل بسے۔

(۳) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے بعد افضل ترین صحابی سمجھے جاتے ہیں۔ سابقین اولین اور کبار بدریین سے ہیں۔ جنگ بدر میں ابوجہل آپ کی تلوار سے ہی واصل جہنم ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب کوفہ کی چھاؤنی قائم کی اور وہاں بڑے بڑے رؤسائے عرب آباد کیے۔ تو اُن کی دینی تعلیم کے لیے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو وہاں مبعوث فرمایا اور انہیں لکھا۔ اے اہل کوفہ میں نے تمہیں اپنے اوپر ترجیح دی ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو تمہارے پاس بھیج دیا ہے ورنہ میں انہیں اپنے لیے رکھتا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے بزرگ بھی اپنے آپ کو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے علم سے مستغنی نہ سمجھتے تھے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ جب کوفہ کے امیر بنائے گئے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کوفہ والوں کو لکھا۔

"قد بعثت اليكم عمار بن ياسر اميرًا و عبد الله بن مسعود رضي الله عنه معلّمًا و وزيرًا و هما من النجباء من اصحاب محمد من اهل بدر فاقتدوا بهما واسمعوا وقد اثرتكم بعبد الله على نفسي" (تذکرہ ج ا ص ۱۴)

"میں نے تمہاری طرف عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو امیر اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو معلم اور وزیر بنا کر بھیجا ہے اور دونوں حضور ﷺ کے اعلیٰ درجہ کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ہیں اور اہل بدر میں سے ہیں تم ان دونوں کی پیروی کرنا اور بات ماننا اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو بھیج کر میں نے تمہیں اپنے آپ پر ترجیح دی ہے"۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان دنوں بھی مجتہد صحابہ رضی اللہ عنہم کی پیروی جاری تھی۔ جو صحابہ رضی اللہ عنہم اس اجتہادی شان پر نہ سمجھے جاتے تھے انہیں ان مجتہدین صحابہ رضی اللہ عنہم کی پیروی کا حکم تھا اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی علمی شہرت تو اس

قدر راسخ تھی کہ آپ رضی اللہ عنہ کے تلامذہ کسی صحابی کو بھی علم میں ان سے آگے نہ سمجھتے تھے۔ بلکہ بڑے بڑے صحابہ رضی اللہ عنہم مشکلات مسائل میں آپ رضی اللہ عنہ کے تلامذہ کی طرف رجوع کرتے تھے آپ حدیث کم روایت کرتے تھے۔ حضور ﷺ کی طرف الفاظ کی نسبت کرنے میں بہت احتیاط سے کام لیتے، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کوفہ میں آپ رضی اللہ عنہ کی ہی مسند علمی کے وارث ہوئے اور آپ رحمۃ اللہ علیہ نے آپ رضی اللہ عنہ کی مسند کو اپنے فیض علم سے اور شہرت بخشی۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مشہور فقہی مختارات مثلاً نماز میں رکوع کرتے وقت رفع یدین نہ کرنا۔ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ نہ پڑھنا، نماز میں آمین آہستہ آواز سے کہنا وغیرہ یہ سب منقول حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ہی مختارات ہیں اور حق یہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کی ہی ذات کریمہ تحقیق کی دنیا میں حنفی مذہب کی اصل قرار پاتی ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے صاحبزادہ عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک کتاب دیکھی گئی۔ جس کے بارے میں وہ قسم کھا کر کہتے تھے کہ یہ اُن کے والد حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھی۔

(جامع بیان العلم لابن عبدالبر ج ۱ ص ۱۷)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ حدیث لکھنے کے خلاف نہ تھے اور وہ روایات جن میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو روایت حدیث سے روکنا اور قید کرنا مذکور ہے وہ روایتیں ہرگز صحیح نہیں۔ اُن کے راوی ابراہیم بن عبدالرحمٰن (ولادت ۲۰ھ) نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ نہیں پایا۔ کوفہ صرف حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ہی مرکز علمی نہ تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ، حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بھی یہاں تشریف لا چکے تھے اور جن صحابہ رضی اللہ عنہم نے وہاں سکونت اختیار کی وہ بھی ایک ہزار پچیس کے قریب تھے۔

آپ مدینہ میں آکر بیمار پڑے اور ۳۲ھ میں وفات پائی۔ بقیع کے قبرستان میں دفن ہوئے۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔

(۴) حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپ کا اسم گرامی عویمر، کنیت ابو درداء ہے، خاندان خزرج سے تعلق ہے، تجارت پیشہ تھے لیکن بعد میں شوق عبادت نے یہ شغل ترک کرا دیا۔ ۲ھ میں مسلمان ہوئے۔

شیخ علامہ ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں آپ صاحب فکر عارف، صاحب ذکر عالم تھے جس نے منعم اور اس کی نعمتوں کو پہچانا اور اس کی ظاہری و پوشیدہ کاریگریوں میں غور کیا، جو عبادت کے محب تھے اور تجارت سے الگ ہو گئے تھے، ہمیشہ عمل میں پہل کرنے والے رہے اور اللہ تعالیٰ کے دیدار کا بہت شوق رکھنے والے تھے، غموں سے فارغ تھے اور علم کی گہرائی آپ کے لیے کھول دی گئی تھی یعنی حکمت و علوم کے ماہر حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

آپ فقہ و حدیث میں بھی ممتاز تھے لیکن آپ کا اصل سرمایہ قرآن مجید کا درس تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو شام میں قرآن مجید کی تعلیم و اشاعت کے لیے نامزد فرمایا۔ اکثر اجلاء تابعین آپ کے شاگرد ہیں۔

آپ نے نبی کریم ﷺ سے سن کر قرآن یاد کیا۔ غزوۂ احد میں شہسواری کے خوب جوہر دکھائے۔ آنحضور ﷺ نے دیکھ کر فرمایا۔

نِعْمَ الْفَارِسُ عُوَیْمِرٌ عویمر بہت عمدہ سوار ہیں

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ صدیقہ اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہما سے حدیثیں روایت کیں۔ ان سے ان کے بیٹے بلال اور بیوی ام الدرداء نے روایت کی۔ مرویات کی تعداد ۱۷۹ تک پہنچتی ہے۔ مسروق ان کے بارے میں کہتے ہیں۔

حضور ﷺ کی وفات کے بعد مدینہ منورہ کی سکونت ترک کر کے مسافرت کی زندگی اختیار فرمائی۔

وفات سے قبل آپ پر خوف و پریشانی کا غلبہ ہوا بہت روتے رہے۔ آخیر وقت میں فرمایا مجھے کلمہ پڑھاؤ ساتھیوں نے تلقین کی تو بار بار دہراتے رہے یہاں تک کہ روح

اظہار پر راز کر گئی۔

آپ کا علمی مقام

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ انہیں الامام المربانی اور حکیم الامت کہتے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ اہل شام کے عالم فقیہ اور قاضی تھے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی حیات میں چار انصار صحابہ رضی اللہ عنہم کو قرآن کریم یاد تھا:

۱۔ ابوالدرداء رضی اللہ عنہ ۲۔ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ

۳۔ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ۴۔ ابی زید رضی اللہ عنہ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"مات النبي ﷺ ولم يجمع القران غير اربعة ابي الدرداء و معاذ بن جبل و زيد بن ثابت و ابي زيد"

(تذکرہ ج ۱ ص ۲۱)

حضرت مسروق تابعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

"وجدت علم اصحاب محمد صلى الله عليه وسلم انتهى الى ستة الى عمر و علي و عبدالله و معاذ و ابي الدرداء و زيد بن ثابت رضي الله عنهم". (ایضاً)

"میں نے حضور ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے علم کو ان چھ میں تمام ہوتے پایا۔ حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت معاذ، حضرت ابوالدرداء، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم اجمعین"۔

حدیث میں آپ کی علمی عظمت کا اندازہ کیجئے کہ ایک شخص ایک لمبے سفر سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے، اسے دمشق آنے میں سوائے آپ سے حدیث سننے کے اور کوئی غرض نہ تھی۔ وہ حدیث سنتا ہے اور واپس چل دیتا ہے آپ یقیناً اچھے وقت

میں اپنے پورے مسند کے مرجع اور مطلع تھے۔ کثیر بن قیس رضی اللہ عنہ اس وقت حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے تھے۔ وہ بیان کرتے ہیں:

"کنت جالساً مع ابی الدرداء فی مسجد دمشق فجاء رجل فقال یا ابا الدرداء انی جئتک من مدینة الرسول لحدیث بلغنی انک تحدثه عن رسول الله صلی الله علیه وسلم ماجئت لحاجة" (مشکوٰۃ ص۳۴)

میں دمشق کی مسجد میں حضرت ابوالدرداء کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک شخص آپ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ اس نے کہا: اے ابوالدرداء رضی اللہ عنہ میں مدینہ شریف سے آپ رضی اللہ عنہ کے پاس صرف ایک حدیث کے لیے آیا ہوں مجھے اطلاع ملی تھی کہ آپ رضی اللہ عنہ اسے حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں میں اور کسی غرض کے لیے آپ رضی اللہ عنہ کے پاس نہیں آیا۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کی شخصیت کس طرح اس وقت اکناف عالم مرجع علم تھی۔ حضرت علقمہ بن قیس رضی اللہ عنہ، سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ، خالد بن معدان رضی اللہ عنہ، ابوادریس خولانی رضی اللہ عنہ جیسے اکابر تابعین اور آپ رضی اللہ عنہ کے بیٹے حضرت بلال رحمۃ اللہ علیہ نے آپ رضی اللہ عنہ سے روایات لی ہیں اور انہیں روایت کیا ہے۔ امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ آپ رضی اللہ عنہ کی اسی علمی مسند کے وارث تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ کی اہلیہ ام الدرداء بھی علم فقہ میں بہت اونچا مقام رکھتی تھیں۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے عبرت آموز اشعار

محمد بن یزید رحبی کہتے ہیں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے کسی نے کہا آپ کس لیے شعر نہیں کہتے حالانکہ انصار کے گھر کا کوئی آدمی نہیں جس نے شعر نہ کہے ہوں؟ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں نے بھی شعر کہے ہیں سنو!

یرید المرء ان یعطی مناہ ویابی اللہ الا ما اراد

یقول المرء فائدتی ومالی وتقوی اللہ افضل ما استفادا

(۱) آدمی چاہتا ہے کہ اس کی آرزوئیں پوری کر دی جائیں جبکہ اللہ تعالیٰ کو اپنی مشیت کے سوا منظور نہیں ہے۔

(۲) آدمی کہتا ہے میرا فائدہ اور میرا مال حالانکہ خوف الٰہی اس کے حاصل کردہ فائدوں سے افضل ہے۔

(۵) حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

آپ رضی اللہ عنہ بلاشبہ شہر علم کا دروازہ تھے۔ کوفہ آپ رضی اللہ عنہ کی مسندِ علمی تھا اور وہیں آپ کی مسندِ خلافت تھی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (۳۲ھ) پہلے سے ہی کوفہ میں فقہ و حدیث کا درس دے رہے تھے۔ اُن کی وفات سے کوفہ میں جو علمی خلا پیدا ہو گیا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے وہاں جانے سے کسی حد تک پورا ہو گیا۔ لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گرد کچھ ایسے لوگ بھی جمع تھے۔ جو عبداللہ بن سبا یہودی کے ایجنٹ تھے اور سبائی سازش کے پروگرام کے تحت مسلمانوں کی صفوں میں انتشار پیدا کرنا چاہتے تھے۔ اُنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نام سے اتنی روایت بنائیں کہ اُن کی ہر روایت مشتبہ ہونے لگی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایسا کہا ہوگا یا نہ کہا ہوگا۔ سو احتیاط اس میں بھی جاتی رہی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وہی روایات سبائی سازش سے محفوظ سمجھی جائیں۔ جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کریں۔ کوفہ کا یہی علمی حلقہ قابلِ اعتماد رہ گیا تھا۔ اس علمی حلقہ کو حضرت عبداللہ بن موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے بھی جلا بخشی تھی اور وہاں کے لوگوں کو ان حضرات سے علمی استفادہ کا پورا موقع مل چکا تھا۔

لیکن افسوس کہ یہ سرزمین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علوم کو اچھی طرح محفوظ نہ رکھ سکی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نام سے بہت سی روایات یونہی وضع کر لی گئیں۔ سبائیوں نے اپنی مذکورہ سازش سے مسلمانوں کو جو سب سے بڑا نقصان پہنچایا وہ یہ تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نام سے روایات گھڑ کر ان کی اصل روایات کو بھی بہت حد تک مشتبہ کر دیا اور اس طرح اُمتِ مسلمہ علم کے ایک بہت بڑے ذخیرے سے محروم ہوئی۔ محققین کے نزدیک فقہ جعفری حضرت علی رضی اللہ عنہ یا حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی تعلیمات نہیں ہیں۔ بلکہ یہ وہ ذخیرہ ہے جو سوادِ اعظم سے انحراف کرنے کے لئے ان حضرات کے نام سے وضع کیا گیا ہے۔ تاہم یہ بات بھی اپنی جگہ صحیح ہے کہ حضرت علی

رضی اللہ عنہ کی مرویات اور اُن کے اپنے فقہی فیصلے اہلسنّت کی کتب فقہ و حدیث میں بھی بڑی مقدار میں موجود ہیں اور اُن کے ہاں حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فقہائے صحابہ رضی اللہ عنہم میں ایک عظیم مرتبہ رکھتے تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ جب کسی سے حضور ﷺ کی کوئی حدیث سنتے تو اُسے قسم دیتے، بغیر قسم اسے قبول نہ کرتے تھے۔ لیکن قسم لینا محض مزید اطمینان کے لیے ہوتا تھا نہ اس لیے کہ اُن کے نزدیک اخبار احاد قابل قبول نہیں تھیں۔ ہاں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ایسی شخصیت ہیں۔ کہ اُن کی روایت کو حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کے شہرۂ آفاق صدق کے باعث فوراً قبول کر لیتے۔ (تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۱۰) حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کی ایک روایت بھی آپ رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ بغیر قسم لیے قبول کر لی تھی۔ آپ رضی اللہ عنہ کی قوت فیصلہ خدا تعالیٰ کا ایک بڑا عطیہ تھا کہ کسی امت میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ خود آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ "اقضٰی هم علي" (مشکوٰۃ ص ۵۶۵) کہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سب سے بہتر فیصلہ کرنے والے حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے انہیں ایک مرتبہ یمن کا قاضی بھی بنایا تھا۔ (مشکوٰۃ ص ۳۶۶)

علامۃ التابعین عامر بن شراحیل شعبی رحمۃ اللہ علیہ (۱۰۳ھ) کہتے ہیں کہ اس عہد میں علم ان چھ حضرات سے لیا جاتا تھا۔ (۱) حضرت عمر رضی اللہ عنہ۔ (۲) حضرت علی رضی اللہ عنہ۔ (۳) حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ۔ (۴) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ۔ (۵) حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ۔ (۶) حضرت موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ۔ یاد رکھیے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضور ﷺ نے انتظامیہ (خلافت) کی بجائے عدلیہ (قضاء) کے زیادہ مناسب ٹھہرایا ہے۔

(۶) کاتبِ وحی حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ

آپ کی علمی شخصیت کے تعارف میں یہ جاننا ہی کافی ہے کہ ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے قرآن کریم ان سے پڑھا تھا اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے احادیث آپ رضی اللہ عنہ سے روایت کیں۔

آپ رضی اللہ عنہ کی وفات پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا تھا۔

"مات حبر الامة ولعل الله يجعل في ابن عباس رضي الله عنه منه خلفا" (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۳۰)

"امت کے بہت بڑے عالم (حبر الامۃ) زید بن ثابت رضی اللہ عنہ چل بسے اور اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ ابن عباس رضی اللہ عنہ کو اُن کا جانشین بنا دیں گے"۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو اُن کی شخصیت کریمہ پر اتنا اعتماد تھا کہ دونوں حضرات نے اپنے اپنے عہد میں جمع قرآن کی خدمت اُن سے لی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے حضرت سلیمان بن یسار رضی اللہ عنہ نے (۱۰۷ھ) جو بہت بڑے فقیہ اور فاضل تھے۔ اس طرح نقل کی ہے:

"ما كان عمر و عثمان يقدمان على زيد احدا في الفتوى والفرائض والقراة" (مشکوٰۃ ص ۵۶۶ عن احمد والترمذی)

"حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فقہ، علم وراثت، اور قرأت میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ پر کسی کو فوقیت نہ دیتے تھے"۔

خود آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"افرضهم زيد بن ثابت" (تذکرہ ص ۳۰)

"ان میں علم وفرائض کے سب سے بڑے ماہر زید بن ثابت رضی

اللہ عنہ ہیں"۔

جب یہ سوار ہوتے یا سواری سے اترتے تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ ان کی رکاب پکڑنے کو اپنے لیے بڑی عزت سمجھتے تھے۔ حضرت مسروق تابعی رحمۃ اللہ علیہ (۶۲ھ) کہتے ہیں:

"کان اصحاب الفتوی من الصحابة عمر و علی و عبدالله و زید و ابی و ابوموسی" (تذکرہ)

خطیب تبریزی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

"کان احد فقهاء الصحابة "...... (الاکمال ص ۵۹۹)

"آپ رضی اللہ عنہ فقہائے صحابہ میں سے ایک تھے"۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ کے دور میں مدار شہرت فضل علم و تفقہ تھا۔ رواۃ حدیث فقہاء کے بعد دوسرے درجے میں آتے تھے۔ قرأت خلف الامام جیسے معرکۃ الآراء مسئلے میں امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے آپ رضی اللہ عنہ کا یہ فتویٰ نقل کیا ہے۔

"من عطاء بن یسار انه اخبره انه سأل زید بن ثابت عن القراۃ مع الامام فقال لا قراۃ مع الامام فی شئی"

(صحیح مسلم، ج ۱، ص ۲۱۵)

"عطاء بن یسار نے حضرت زید بن ثابت سے پوچھا کہ امام کے پیچھے قرآن پڑھا جا سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا امام کے ساتھ کسی حصے میں قرآن پڑھنے کی اجازت نہیں"۔

(۷) حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ

مکہ مکرمہ میں اسلام لائے۔ حبشہ کی طرف ہجرت کی حضور ﷺ نے انہیں یمن کا والی بنایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں بصرہ کا والی بنایا اور آپ رضی اللہ عنہ کی اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بھی تھے کی آمد سے عراق مرکز علم بن چکا تھا۔ ان دنوں علم سے مراد حدیث اور فقہ تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے معرکہ تحکیم میں آپ رضی اللہ عنہ (حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ) کو اپنا نمائندہ بنایا تھا۔ یہ مسلسل واقعات آپ رضی اللہ عنہ کی عظمت شخصی اور آپ رضی اللہ عنہ کی فقہ وفضیلت کے تاریخی شواہد ہیں۔ قرآن کریم بہترین آواز سے پڑھنا آپ رضی اللہ عنہ پر ختم تھا۔ تاہم آپ رضی اللہ عنہ امام کے پیچھے قرآن پڑھنے کے قائل نہ تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ سے یہ روایت کی:

"اذا قرء فانصتوا" (صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۷۴)

امام جب قرآن پڑھے تو تم چپ رہو۔

حضور ﷺ کے عہد میں جو چار صحابہ رضی اللہ عنہم فتویٰ دینے کے مجاز تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ بھی اُن میں تھے۔

صفوان بن سلیم رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۲ھ) کہتے ہیں:

"لم یکن یفتی فی زمن النبی صلی اللہ علیہ وسلم غیر عمر و معاذ و علی و ابی موسی" (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۳)

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ آپ کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"کان عالما، عاملا، صالحا، تالیا لکتاب اللہ الیہ المنتہی فی حسن الصوت بالقرآن روی علما طیبا مبارکا" (ایضاً ص ۲۴)

"آپ عالم تھے عامل تھے نیک تھے اللہ کی کتاب کو پڑھنے والے تھے قرآن کو اچھی آواز سے پڑھنے میں چوٹی کے تھے آپ نے علم پاکیزہ اور بابرکت روایت کیا ہے"۔

آپ رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ حدیث سنائی:

"اذا سلم احدکم ثلثا فلم یجب فلیرجع"

جب تم میں سے کوئی (کسی کے دروازے پر) تین دفعہ سلام کہے اور اسے جواب نہ ملے تو اُسے واپس لوٹ جانا چاہیے۔

تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر مزید شہادت طلب کی حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بہت گھبرائے۔ یہاں تک کہ آپ رضی اللہ عنہ کو ایک انصاری کے ہاں اس کی تائید ملی۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ میں اپنے اکابر کی تعمیل حکم کا جذبہ کسی درجہ کارفرما تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی آپ رضی اللہ عنہ پر معاذ اللہ کوئی الزام نہ لگا رہے تھے۔ صرف دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کو احتیاط فی الروایہ کا سبق دینا مقصود تھا نہ آپ رضی اللہ عنہ کی غرض یہ تھی کہ خبر واحد کا اعتبار نہ کیا جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خود فرمایا۔

"اما انی لم اتھمک ولکنی خشیت ان یقول الناس علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" (موطا امام مالک۔۳۸۰)

"میں آپ رضی اللہ عنہ کو متہم نہیں کر رہا تھا میں صرف اس سے ڈرا ہوا تھا کہ لوگ حضور ﷺ پر اپنی طرف سے باتیں نہ لگانے لگیں۔

یاد رکھیے کسی صحابی پر جھوٹ کا الزام نہیں لگتا صحابہ سب عادل ہیں۔

(۸) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما

ایک جلیل القدر صحابی، رسول خدا ﷺ کے چچازاد بھائی، علم دین کے بحر بیکراں، تقویٰ طہارت کے پیکر، دن کو روزہ دار اور رات کو عبادت گزار، بوقت سحر مغفرت کے طلبگار خشیت الٰہی سے یوں زار وقطار رونے والے کہ آنسوؤں کی جھڑی لگ جاتی، یہ ہیں امت محمدیہ میں کتاب الٰہی کے رموز و اسرار کا سب سے زیادہ ادراک رکھنے والے اور مفسر قرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہجرت سے تین سال پہلے پیدا ہوئے جب رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وصال ہوا تو اس وقت ان کی عمر صرف تیرہ برس تھی۔ اتنی چھوٹی سی عمر میں انہیں ایک ہزار چھ سو ساٹھ احادیث زبانی یاد تھیں جنہیں امام بخاری اور امام مسلم نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے۔

جب یہ پیدا ہوئے تو والدہ ماجدہ گود میں لے کر رسول اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ آپ نے اپنے لب دہن سے گھٹی دی، اس طرح ان کے پیٹ میں سب سے پہلے جو چیز اتری وہ رسول خدا ﷺ کا لب مبارک تھا اور اس کے ساتھ ہی تقویٰ و طہارت، حکمت و دانش، فصاحت و بلاغت جیسے اوصاف حمیدہ ان کے رگ و ریشہ میں رچ بس گئے۔ خداتعالیٰ کا یہ فرمان برحق ہے:

"وَمَن يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا"

"جس کو حکمت و دانش عطا کی گئی ہو اسے خیر کثیر سے نوازا گیا"۔

آنحضرت ﷺ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے لئے دعا فرمائی تھی کہ اللہ انہیں علم و فقہ سے مالا مال کرے اور فہم قرآن کی شان بخشے، حضور ﷺ کی وفات کے وقت آپ رضی اللہ عنہ کی عمر تیرہ سال تھی، حضور ﷺ کے بعد حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے تعلیم حاصل کی اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہ کو ترجمان القرآن کا عظیم لقب دیا۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۳۶)

اعمش رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو امیرِ حج کی ذمہ داری سپرد کی۔ تو آپ رضی اللہ عنہ نے ایسا خطبۂ حج دیا کہ اگر اسے ترک اور اہلِ روم سن لیتے تو سب کے سب مسلمان ہو جاتے۔ نعیم بن حفص رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ ہمارے ہاں بصرہ میں آئے تو عرب میں علم و فضل میں اُن کا ثانی نہ تھا۔

"وما فی العرب مثله جسمًا و علمًا و بیانًا و جمالًا و کمالًا" (ایضاً ص ۳۶)

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت سے پتہ چلتا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے بھی حضور ﷺ کی احادیث آپ کے بعد جمع کرنی شروع کر دی تھیں اور وہ تحریریں لوگوں تک پہنچی ہوئی تھیں۔ ایک مرتبہ طائف سے کچھ لوگ آپ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اُن کے پاس آپ رضی اللہ عنہ کی کچھ تحریرات تھیں اور انہوں نے انہیں آپ رضی اللہ عنہ کے سامنے پڑھا۔ (کتاب العلل للامام الترمذی)

حضرت عبداللہ آنحضور ﷺ کے چچا زاد بھائی اور حضرت عباس بن عبدالمطلب کے بیٹے تھے۔ ان کے حق میں آنحضور ﷺ نے دعا فرمائی تھی کہ

"اے اللہ اس کو دین کا فہم اور تفسیرِ قرآن میں بصیرت عطا کر"۔

اس دعا کے نتیجہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو کثرتِ علم اور فقہ دانی میں بڑی شہرت حاصل ہوئی۔ لوگ دور دراز سے مسائل پوچھنے اور حدیثیں روایت کرنے کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ آپ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بعد ۳۵ برس تک لوگوں کو فتویٰ دیتے رہے۔ عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ آپ کے بارے میں فرماتے ہیں:

میں نے کسی شخص کو نہیں دیکھا جو احادیثِ رسول ﷺ نیز ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم نیز تفسیر و فقہ شعر و عربیت اور حساب و فرائض میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے زیادہ علم رکھتا ہو۔ آپ نے ایک دن تفسیرِ قرآن کے لیے ایک دن فقہ

کے لیے اور ایک ایک دن مغازی اشعار اور ایام العرب کی تدریس و تعلیم کے لیے وقف کیا ہوا تھا۔ جو عالم بھی آپ کے پاس آیا اس کو آپ کے علم سے مرعوب ہونا پڑا جس سائل نے بھی آپ سے کوئی بات پوچھی ان کے پاس اس کا جواب پایا"۔

سرور کائنات ﷺ نے آپ کو "ترجمان القرآن" (مفسر قرآن) کا لقب عطا کیا تھا۔ لوگ آپ کی تفسیر پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کرتے تھے۔

"اگر روم اور دیلم کے رہنے والے آپ کی تفسیر کو سن لیتے تو اسلام لے آتے"۔

حضرت ابن عباس سے جب دریافت کیا گیا کہ" آپ نے علم کیسے حاصل کیا؟ تو جواباً فرمایا، میں نے سوال کرنے والی زبان اور سمجھنے سوچنے والے دل سے سب کچھ سیکھا ہے یہی وجہ ہے کہ آپ صرف مذہبی احکام و مسائل ہی کے عالم نہ تھے بلکہ عربی زبان وادب میں بھی ماہرانہ بصیرت رکھتے تھے اور خالص جاہلی اشعار سے اسلوب قرآن پر استشہاد فرمایا کرتے تھے۔

روایات میں منقول ہے کہ نافع بن ازرق اور نجدہ بن عویمر چند خوارج کی معیت میں طلب علم کے لیے نکلے اور مکہ پہنچے چاہ زمزم کے نزدیک حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ملاقات ہوئی۔ لوگ ان سے تفسیر قرآن سے متعلق سوالات کر رہے تھے۔ اور جواب دیے جاتے تھے۔ نافع نے ابن عباس سے چند الفاظ کے معانی پوچھے نافع نے سوال کیا کیا عرب نزول قرآن سے پہلے بھی اس سے آشنا تھے؟ ابن عباس نے کہا ہاں! پھر اس کی تائید میں ایک شعر پڑھا، نافع اور اس کے رفقاء ابن عباس کے علم و فضل کی تعریف کرنے لگے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت علی رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ اور ابی بن کعب سے حدیثیں روایت کی ہیں۔ معمر کا قول ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا علم ان تینوں سے ماخوذ ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے معاذ بن جبل اور ابوذر غفاری سے بھی روایت کی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرنے والوں میں عبداللہ

بن عمر رضی اللہ عنہما۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ۔ سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ اور ان کے آزاد کردہ غلام عکرمہ جیسے اکابر شامل ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو حنین، طائف، فتح مکہ اور حجۃ الوداع میں شرکت کرنے کی سعادت حاصل ہوئی تھی۔ ابن ابی السرح کی معیت میں آپ نے افریقہ کی فتوحات میں حصہ لیا۔ جنگ جمل وصفین میں ابن عباس رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حامیوں کے ساتھ شریک تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کو بصرہ میں اپنا نائب مقرر کیا تھا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اپنے متعلق بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسولِ خدا ﷺ نے وضو کا ارادہ کیا تو میں نے فوراً آپ کی خدمت میں پانی پیش کر دیا۔ آپ میری خدمت گزاری پر بہت خوش ہوئے جب آپ نماز ادا کرنے کے لیے کھڑے ہوئے تو مجھے بھی اپنے ساتھ نماز پڑھنے کا اشارہ کیا میں آپ کے پہلو کی بجائے پیچھے کھڑا ہو گیا۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو ارشاد فرمایا: عبداللہ تم میرے ساتھ کیوں نہیں کھڑے ہوئے، میں نے عرض کی حضور آپ کی عزت واحترام اور عظمت و جلال کی بنا پر آپ کے پہلو میں کھڑا ہونے کی تاب نہ لا سکا۔ آپ نے میری یہ بات سن کر آسمان کی طرف اپنے ہاتھ بلند کیے اور دعا کی۔

الٰہی: عبداللہ کو حکمت و دانائی عطا فرما۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا کو شرفِ قبولیت بخشا اور اس ہاشمی نوجوان کو ایسی حکمت و دانش عطا فرمائی جس کی بنا پر آپ بڑے بڑے حکماء اور دانشوروں پر فوقیت حاصل کر گئے۔

عہدِ طفولیت میں مصاحبتِ رسول ﷺ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو فطرۃً ذہین، سلیم الطبع، متین اور سنجیدہ تھے۔ ہر چند انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی مصاحبت کا جو زمانہ پایا وہ درحقیقت ان کا عہد طفولیت تھا، جس میں انسان کو کھیل کود سے دل آویزی ہوتی ہے، فرماتے ہیں کہ میں

لڑکوں کے ساتھ گلیوں میں کھیلتا پھرتا تھا، پھر ایک روز رسول اللہ ﷺ کو پیچھے آتے ہوئے دیکھا تو جلدی سے ایک گھر کے دروازہ میں چھپ گیا لیکن آپ ﷺ نے مجھے پکڑ لیا اور سر پر ہاتھ پھیر کر فرمایا "جا معاویہ کو بلا لا" وہ حضور ﷺ کے کاتب تھے، میں نے جا کر ان سے کہا: آنحضرت ﷺ آپ کو یاد فرماتے ہیں، کوئی خاص ضرورت ہے،

ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی خالہ تھیں اور ان کو نہایت عزیز رکھتی تھیں، اس لئے وہ اکثر ان کی خدمت میں رہتے، کبھی کبھی رات کے وقت بھی ان ہی کے گھر سو رہتے تھے، اس طرح ان کو رسول اللہ ﷺ کی صحبت سے مستفیض ہونے کا بہترین موقع میسر تھا، فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں رات کے وقت اپنی خالہ (حضرت) میمونہ (رضی اللہ عنہا) کے پاس سو رہا تھا، آنحضرت ﷺ تشریف لائے اور چار رکعت نماز پڑھ کر استراحت فرما ہوئے، پھر کچھ رات باقی تھی کہ بیدار ہوئے اور مشکیزہ کے پانی سے وضو کر کے نماز پڑھنے لگے، میں بھی اٹھ کر بائیں طرف کھڑا ہو گیا، آپ ﷺ نے میرا سر پکڑ کر مجھے داہنی طرف کر لیا۔

اس سلسلہ میں بارہا خدمت گزاری کا شرف بھی حاصل ہوا، ایک مرتبہ رسول ﷺ نماز کے لئے بیدار ہوئے، انہوں نے وضو کے لئے پانی لا کر رکھ دیا، آپ ﷺ نے وضو فرما کر پوچھا: پانی کون لایا تھا؟ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا نام لیا، آنحضرت ﷺ نے خوش ہو کر دعائیں دیں اور فرمایا:

اللھم فقھہ فی الدین و علمہ التاویل

یعنی اے اللہ! اس کو مذہب کا فقیہ بنا اور تاویل کا طریقہ سکھا۔

کسی کی بزم نے دنیائے دل اجاڑ دی
خودی کے ساتھ گیا بے خودی کے ساتھ آیا

ذکاوت و ذہانت میں ممتاز شخصیت

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کی ذہانت اور ذکاوت کی وجہ سے ان کو شیوخ بدر کے ساتھ مجلسوں میں شریک کرتے تھے، بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس سے شکایت پیدا ہوئی،

انہوں نے کہا کہ ان کو ہمارے ساتھ مجلسوں میں کیوں شریک کرتے ہو، ان کے برابر تو ہمارے لڑکے ہیں، فرمایا تم لوگ ان کا مرتبہ جانتے ہو، اس کے بعد ان کی ذہانت کا مشاہدہ کرانے کے لئے ایک دن ان کو بلا بھیجا اور لوگوں سے پوچھا کہ

إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَ الْفَتْحُ (النصر)

جب خدا کی نصرت اور فتح آگئی تو اے پیغمبر توبہ و استغفار کرنا۔

کے بارے میں تم لوگوں کا کیا خیال ہے کہ اس کے کیا معنی ہیں، کسی نے جواب دیا کہ نصرت و فتح پر ہم کو خدا کی حمد و ثنا کا حکم دیا گیا ہے، کوئی خاموش رہا، پھر ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ ابن عباس! تمہارا بھی یہی خیال ہے، انہوں نے کہا نہیں، پوچھا پھر کیا ہے؟ عرض کیا اس میں آنحضرت ﷺ کی وفات کا اشارہ ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو تم کہتے ہو یہی میرا بھی خیال ہے۔

علم حدیث کی خدمات

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ان مخصوص صحابہ رضی اللہ عنہم میں ہیں جو علم حدیث کے اساطین سمجھے جاتے ہیں، اگر حدیث کی کتابوں میں ان کی روایتیں علیحدہ کر لی جائیں تو اس کے بہت اوراق سادہ رہ جائیں گے، ان کی مرویات کی مجموعی تعداد ۲۶۶۰ ہے ان میں سے ۷۵ متفق علیہ ہیں، یعنی بخاری اور مسلم دونوں میں ہیں، ان کے علاوہ ۱۲۸ روایتوں میں بخاری منفرد ہیں اور ۴۹ میں مسلم۔

ان کی روایات کی کثرت اور معلومات کی وسعت خود ان کی ذاتی کاوش و جستجو کا نتیجہ ہیں، گو بہت سی روایتیں براہ راست خود زبان وحی و الہام سے لی ہیں، لیکن آنحضرت ﷺ کی وفات کے وقت ان کی عمر ۱۴، ۱۵ سال سے زائد نہ تھی، ظاہر ہے کہ اس عمر میں علم کا اتنا سرمایہ کہاں سے حاصل کر سکتے تھے۔

حدیث بیان کرنے میں احتیاط

عموماً کثیر الروایت راویوں کے متعلق یہ شبہ کیا جاتا ہے کہ وہ روایت کرنے میں

محتاط نہیں ہوئے، اور رطب و یابس کا امتیاز نہیں رکھتے، لیکن ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ذات اس سے مستثنیٰ اور اس قسم کے شکوک و شبہات سے ارفع و اعلیٰ تھی، وہ حدیث بیان کرتے وقت اس کا پورا پورا لحاظ رکھتے تھے کہ کوئی غلط روایت آنحضرت ﷺ کی جانب نہ منسوب ہونے پائے، جہاں اس قسم کا کوئی خفیف سا بھی خطرہ ہوتا وہ بیان نہ کرتے تھے، چنانچہ اکثر کہا کرتے تھے کہ ہم اس وقت آنحضرت ﷺ کی حدیث بیان کرتے تھے جب تک جھوٹ کا خطرہ نہ تھا، لیکن جب سے لوگوں نے ہر قسم کی رطب و یابس حدیثیں بیان کرنا شروع کر دیں، اس وقت سے ہم نے روایت ہی کرنا چھوڑ دیا، لوگوں سے کہتے کہ تم کو قال رسول اللہ کہتے وقت یہ خوف نہیں معلوم ہوتا ہے کہ تم پر عذاب نازل ہو جائے یا زمین شق ہو جائے اور تم اس میں سما جاؤ، اسی احتیاط کی بنا پر فتویٰ دیتے تو آنحضرت ﷺ کا نام نہ لیتے تھے کہ آپ کی طرف نسبت کرنے کا بار نہ اٹھانا پڑے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی فقہی خدمات

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے فتاویٰ فقہ کی سنگ بنیاد ہیں، اس کی تشریح کے لئے ایک دفتر چاہئے، اس لئے ہم ان کو قلم انداز کرتے ہیں، تاہم ان کی فقہ دانی کا سرسری اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ابو بکر محمد بن موسیٰ خلیفہ مامون الرشید کے پرپوتے نے جو اپنے زمانے کے امام تھے ان کے فتاویٰ ۲۰ جلدوں میں جمع کئے تھے۔

مکہ میں فقہ کی بنیاد انہی نے رکھی، وہ تمام فقہاء جن کا سلسلہ مکہ کے شیوخ تک پہنچتا ہے، وہ سب بالواسطہ یا بلاواسطہ ان کے خوشہ چین تھے، ایک فقیہ و مجتہد کے لئے قیاس ناگزیر ہے، کیونکہ وقتاً فوقتاً بہت سے ایسے نئے مسائل پیدا ہوتے رہتے ہیں، جو حضرت حامل شریعت علیہ السلام کے عہد میں نہ تھے، اور ان کے متعلق کوئی صریح حکم موجود نہیں ہے، ایسے وقت میں مجتہد کا یہ فرض ہے کہ وہ منصوبہ احکام اور ان میں علت مشترک نکال کر ان پر قیاس کر کے حکم صادر کرے، ورنہ فقہ کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند ہو جائے گا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے سامنے جب کوئی مسئلہ پیش ہوتا تو وہ پہلے کتاب اللہ کی طرف رجوع کرتے، اگر اس سے جواب مل جاتا تو ٹھیک ورنہ رسول اللہ ﷺ

کی سنت کی طرف رجوع کرتے، اگر اس سے بھی مقصد برآری نہ ہوتی تو حضرت ابو بکر وعمر رضی اللہ عنہما کا فیصلہ دیکھتے، اگر اس سے بھی عقدہ حل نہ ہوتا تو پھر اجتہاد کرتے مگر اسی کے ساتھ قیاس بالرائے کو برا سمجھتے تھے، چنانچہ وہ اس کی مذمت میں کہتے ہیں:

جو شخص کسی مسئلہ میں ایسی رائے دیتا ہے جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ میں نہیں ہے تو میری سمجھ میں نہیں آتا کہ جب وہ خدا سے ملے گا تو اس کے ساتھ کیا معاملہ پیش آئے گا۔

آپ کا علمی مقام

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما میدان علم کے ایسے بلند مقام پر فائز ہوئے جسے دیکھ کر کبار علماء صحابہ رضی اللہ عنہم ششدر رہ گئے۔

حضرت مسروق بن اجدع جنہیں تابعین میں بہت بلند مقام حاصل ہے ان کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

جب میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو دیکھتا تو بے ساختہ پکار اٹھتا کہ آپ سب لوگوں سے زیادہ حسین ہیں۔ جب آپ کی گفتگو سنتا تو یہ کہنے پر مجبور ہوتا کہ آپ سب سے بڑھ کر فصیح و بلیغ ہیں۔

اور جب آپ کوئی حدیث بیان کرتے تو آپ کی عالمانہ گفتگو سن کر یہ رائے قائم کرنے پر مجبور ہو جاتا کہ آپ اس دور کے سب سے بڑے عالم ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما حصول علم کی منزلیں طے کر لینے کے بعد لوگوں کو تعلیم دینے میں ہمہ تن مصروف ہو گئے، آپ کا گھر عوام کے لیے ایک بہت بڑی جامعہ کا درجہ اختیار کر گیا تھا، البتہ جامعہ ابن عباس اور موجودہ دور کی جامعات میں یہ فرق ہے کہ آج کے دور کی جامعات میں سینکڑوں اساتذہ کی خدمات حاصل کی جاتی ہیں جبکہ جامعہ ابن عباس کا دارومدار صرف ایک استاذ پر تھا اور وہ تھے مفسر قرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما۔

ایک صحابی بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو علم

کے جس بلند مقام پر فائز دیکھا۔ اگر قریش اس پر فخر کریں تو بلاشبہ ان کے لیے یہ باعث فخر ہے۔

یہی صحابی فرماتے ہیں کہ میں نے ایک روز دیکھا کہ بہت سے لوگ آپ کے گھر کی طرف جارہے ہیں، لوگ اتنے زیادہ تھے کہ راستے مسدود ہوگئے میں نے آپ کو اس صورت حال سے آگاہ کیا تو میری بات سن کر ارشاد فرمایا: پانی لاؤ میں نے پانی آپ کی خدمت میں پیش کیا، آپ نے وضو کیا اور مجھ سے کہا کہ مجمع میں اعلان کردو کہ جو لوگ قرآن مجید کے الفاظ و حروف کے متعلق کوئی سوال کرنا چاہتے ہیں سب سے پہلے وہ اندر تشریف لائیں، میں نے باہر جاکر یہ اعلان کیا تو مجمع میں سے کچھ لوگ اندر داخل ہوئے جس سے گھر کا صحن بھر گیا، آپ نے ہر ایک کے سوال کا تسلی بخش جواب دیا، جب وہ مطمئن ہوگئے تو آپ نے فرمایا اب اپنے دوسرے بھائیوں کے لیے جگہ بنادو، وہ باہر آگئے، پھر آپ نے مجھے حکم دیا کہ اب یہ اعلان کردو کہ جو حضرات قرآن مجید کی تفسیر کے متعلق سوال کرنا چاہتے ہیں اندر تشریف لے آئیں میں نے آپ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے باہر آکر یہ اعلان کردیا، کچھ اور لوگ اندر آئے جس سے گھر کا صحن بھر گیا آپ نے ان کے ہر سوال کا تسلی بخش جواب دیا، جب وہ مطمئن ہوگئے تو آپ نے فرمایا: کہ اپنے دوسرے بھائیوں کے لیے راستہ بنادو، وہ اٹھ کر باہر چلے گئے اور مجھے حکم دیا کہ اب یہ اعلان کرو کہ جو لوگ حلال و حرام کے متعلق کچھ پوچھنا چاہتے ہیں، وہ اندر تشریف لے آئیں، یہ اعلان سن کر کچھ لوگ اندر آئے جس سے کمرہ اور صحن بھر گیا اور آپ نے ہر ایک کے سوال کا تسلی بخش جواب دیا، جب وہ مطمئن ہوگئے تو آپ نے فرمایا اب اپنے بھائیوں کے لیے جگہ خالی کردو، وہ اٹھ کر باہر نکل گئے، پھر مجھے حکم دیا کہ اب یہ اعلان کرو کہ جو لوگ وراثت کے متعلق کچھ پوچھنا چاہتے ہیں وہ اندر آجائیں، میرا یہ اعلان سن کر اتنے لوگ اندر آئے کہ گھر کا صحن کھچا کھچ بھر گیا، آپ نے ہر ایک کے سوال کا تسلی بخش جواب دیا، جب وہ مطمئن ہوگئے تو آپ نے فرمایا کہ اب اپنے دوسرے بھائیوں کے لیے موقع دو، وہ باہر آگئے اور مجھے یہ حکم دیا کہ اب یہ اعلان کرو کہ جو لوگ عربی زبان، اشعار اور کلام عرب کے غریب

الفاظ کے متعلق دریافت کرنا چاہتے ہیں وہ اندر آئیں میں نے تعمیل ارشاد کی، اعلان سن کر آتے لوگ اندر آئے کہ صحن بھر گیا، آپ نے ہر ایک کے سوال کا تسلی بخش جواب دیا، میدان علم میں یہ ایک ایسا محیر العقول واقعہ ہے کہ خاندان قریش حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس عالمانہ شان پر جتنا بھی فخر کرے کم ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے جب یہ دیکھا کہ لوگوں میں علم حاصل کرنے کی بہت تڑپ ہے تو ان کے لیے باقاعدہ ایسا پروگرام ترتیب دیا جس سے آپ کے دروازے پر لوگوں کا زیادہ ہجوم بھی نہ ہو اور انہیں دینی علوم سے فیضیاب بھی کیا جائے، لہذا آپ نے ہفتے میں ایک دن صرف تفسیر قرآن کے لیے ایک دن صرف فقہ کے لیے، ایک دن مغازی کے لیے، ایک دن شعر و شاعری کے لیے اور ایک دن تاریخ عرب کی تدریس کے لیے مخصوص کر دیا۔ آپ کی مجلس میں اگر کوئی عالم آکر بیٹھتا تو آپ اس کے ساتھ انتہائی انکسار و تواضع سے پیش آتے، اگر کوئی سائل سوال کرتا تو اسے تسلی بخش جواب دیتے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو اپنی عالمانہ حیثیت اور بے شمار خوبیوں کی بنا پر باوجود اپنی چھوٹی عمر کے خلفائے راشدین کا مشیر خاص ہونے کا شرف حاصل تھا۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو اگر کوئی مشکل مسئلہ پیش آتا تو آپ اسے حل کرنے کے لیے جہاں کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مدعو کرتے وہاں ان کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو بھی دعوت دیتے، جب آپ تشریف لاتے تو انہیں اپنے قریب بٹھاتے اور پیار بھرے الفاظ میں اظہار خیال کرتے کہ آج ہمیں ایک مشکل مسئلہ پیش آیا ہے، میرے خیال میں آپ ہی اس مشکل مسئلے کو حل کر سکتے ہیں۔

ایک مجلس میں تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے اس رویے پر اعتراض بھی کیا گیا کہ کبار صحابہ رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں ایک کم عمر صحابی کو زیادہ ترجیح دی جاتی ہے۔

آپ نے اعتراض کے جواب میں صراحتاً ارشاد فرمایا: یہ ایک منجھا ہوا فصیح البیان اور صاحب عقل و دانش نوجوان ہے۔

وصال پر ملال

۶۸ھ میں پیمانہ حیات لبریز ہو گیا، ایک روز سخت بیمار ہوئے، بستر علالت کے اردگرد احباب و معتقدین کا ہجوم تھا، بولے ”میں ایک ایسی جماعت میں دم توڑوں گا جو روئے زمین پر خدا کے نزدیک زیادہ محبوب و مقرب ہے، اس لئے اگر میں تم لوگوں میں مروں تو یقیناً تم ہی وہ بہترین جماعت ہو“ غرض ہفت روزہ علالت کے بعد طائر روح نے قفس عنصری چھوڑا، محمد بن حنفیہ نے جنازہ کی نماز پڑھائی اور سپرد کر کے کہا: خدا کی قسم! آج دنیا سے ”حبر امت“ اٹھ گیا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما عمر بھر لوگوں کو علم و دانش اور تقویٰ وطہارت کا درس دیتے رہے یہاں تک کہ آپ اللہ کو پیارے ہو گئے، وصال کے وقت آپ کی عمر اکہتر برس تھی، حضرت محمد بن حنفیہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی جس میں جلیل القدر صحابہ کرام اور تابعین عظام نے شرکت کی، جب آپ کو لحد میں اتارا جا رہا تھا تو غیب سے آواز آ رہی تھی:

يَاأَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيْٓ إِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ وَ ادْخُلِيْ جَنَّتِيْ۔

زندگی کے آخری دور میں ان کی بصارت جاتی رہی ان کے باپ اور دادا کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا۔ آپ نے ۶۸ھ میں طائف میں وفات پائی۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۳۱۴۔ سیر الصحابہ ج ۲ ص ۲۴۵۔ اسد الغابہ، تذکرہ ابن عباس رضی اللہ عنہما)

(۹) حبر الامۃ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما

ابو عبدالرحمٰن العدوی المدنی

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے محمد بن الحنفیہ رحمۃ اللہ علیہ انہیں حبر هذه الامة (اس اُمت کے بڑے عالم) کہا کرتے تھے۔ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"لا يعدل لن براى ابن عمر فانه اقام ستين سنة بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم فلم يخف عليه شئي من امره ولا من امر اصحابه" (تذکرہ ج ۱ ص ۳۸)

"نہ برابر سمجھو ابن عمر کے ساتھ کسی کو رائے میں اس لیے کہ وہ حضور ﷺ کے وصال کے بعد ساٹھ سال تک زندہ رہے اس لیے نہیں مخفی رہا آپ رضی اللہ عنہ پر حضور ﷺ کے امر سے اور نہ ہی آپ کے صحابہ کے امر سے"۔

اہل الرای ہونا کوئی عیب نہیں جو امام زہری عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کر رہے ہیں یہ علم کا وہ درجہ ہے جو مجتہد کو ہی نصیب ہوتا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ سے کثیر تعداد احادیث منقول ہیں لیکن علامہ ذہبی نے انہیں الفقیہ کے پُر اعزاز لقب سے ذکر کیا ہے۔ جن دنوں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ میں اختلاف جاری تھا اور اچھی خاصی تعداد اس بات کی حامی ہو گئی تھی کہ یہ دونوں بزرگ قیادت سے کنارہ کش ہو جائیں تو جو شخصیت ان دنوں لوگوں کی نظر میں اس لائق تھی کہ اس پر امت جمع ہو جائے اور اس میں علم و عمل کی پوری استعداد ہو تو وہ آپ رضی اللہ عنہ ہی تھے۔ لیکن آپ رضی اللہ عنہ اس میدان میں آگے آنے کے لیے قطعاً تیار نہ ہوئے۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ (۱۶۱ھ) کہا کرتے تھے:

"یقتدی بعمر فی الجماعة وبابنه فی الفرقة" (تذکرہ ج۱/ص۳۸)
لوگوں سے مل کر چلنے میں عمر رضی اللہ عنہ کی پیروی کی جائے اور
لوگوں سے کنارہ کشی میں اُن کے بیٹے کو نمونہ بنایا جائے۔

حضرت عبداللہ کثرت روایت میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے لگ بھگ تھے۔ ان کی مرویات کی تعداد ۲۶۳۰ ہے۔

یہ خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے لخت جگر اور حضرت حفصہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کے حقیقی بھائی تھے۔ یہ ان چاروں عبادلہ میں سے ایک تھے جو فتوی دینے میں مشہور تھے۔ ان چاروں صحابہ کا نام عبداللہ تھا۔ ابن عمر کے علاوہ باقی تین عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمرو بن العاص اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بعثت نبوی کے تھوڑا عرصہ بعد پیدا ہوئے۔ جب اپنے والد کے ہمراہ اسلام لائے تو ان کی عمر اس وقت دس سال تھی۔ پھر اپنے والد سے پہلے ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے۔ غزوۂ احد میں صغیر السن تھے۔ اس لیے آپ ﷺ نے شرکت کی اجازت نہ دی۔ غزوۂ احد کے بعد بہت سی لڑائیوں میں شرکت کرنے کی سعادت حاصل کی۔ چنانچہ آپ کو جنگ قادسیہ یرموک اور افریقہ نیز مصر و فارس کی فتوحات میں شرکت کرنے کی سعادت حاصل ہوئی تھی۔ آپ بصرہ اور مدائن میں بھی گئے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے حضرت ابوبکر و عمر و عثمان و عائشہ و عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم اور اپنی ہمشیرہ حضرت حفصہ سے حدیثیں روایت کی تھیں۔ آپ سے بھی بہت سے لوگوں نے روایت کی مثلاً سعید بن مسیب، حسن بصری، ابن شہاب زہری، ابن سیرین، نافع، مجاہد، طاؤس اور عکرمہ رحمہم اللہ تعالیٰ۔

حضرت عبداللہ بن عمر نے ۷۳ھ میں وفات پائی۔

(۱۰) حضرت جابر بن عبداللہ الانصاری رضی اللہ عنہ

ستر انصاری رضی اللہ عنہم جو بیعت عقبہ میں شامل ہوئے آپ رضی اللہ عنہ اُن میں سے تھے، حافظ ذہبی نے انہیں فقیہ اور مفتی مدینہ کے نام سے ذکر کیا ہے اور لکھا ہے۔

"حمل عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم علمًا کثیرًا نافعًا" (تذکرہ ج۱ص۴۸)

"آپ نے آنحضرت ﷺ سے بہت سا نافع علم پایا"۔

حدیث کے اتنے شیدائی تھے کہ ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کے بارے میں سُنا کہ اُن کے پاس ایک حدیث ہے جو انہوں (عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ) نے خود حضور ﷺ سے سُنی ہے۔ وہ اُن دنوں ملک شام میں مقیم تھے۔ اس پر آپ رضی اللہ عنہ نے ایک اُونٹ خریدا اور اس پر ایک ماہ تک سفر کرتے کرتے ملک شام پہنچے، پیغام بھیجا کہ جابر رضی اللہ عنہ دروازے پر کھڑا ہے۔ انہوں نے پوچھا جابر بن عبداللہ ہیں؟ فوراً باہر آئے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اُن سے حدیث پوچھی۔ انہوں نے سنائی۔ (الادب المفرد، امام بخاری ص ۳۵۲۔ صحیح بخاری ص ۱۷۔ تذکرہ ج۱ ص ۴۸) انہوں نے سُنی اور چل دیئے۔ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں وہ حدیث غالباً یہ تھی۔

"عن جابر رضی اللہ عنہ عن عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ سمعت النبی ﷺ یقول یحشر اللہ العباد فیناديهم بصوت یسمعه من بعد کما یسمعه من قرب انا الملک الدیان" (صحیح بخاری ج۲ ص۱۱۱۳)

"حضرت جابرؓ عبداللہ بن انیسؓ سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں میں نے حضور ﷺ کو فرماتے سُنا۔ اللہ بندوں کو حشر میں ایسی آواز سے بلائے گا جس کو قریب اور بعید والے سب یکساں سُنیں گے، فرمائے گا میں ہوں بادشاہ انصاف والا"۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کی شخصیت کریہ کس طرح تبع حدیث اور طلب علم میں منہمک تھی آپ رضی اللہ عنہ مجتہد صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے تھے اور حدیث کے مناط کلام پر بڑی گہری نظر رکھتے تھے۔ مثلاً حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ''لا صلوٰۃ لمن لم یقرء بفاتحۃ الکتاب '' کہ اس شخص کی نماز نہیں ہوتی جو سورۃ فاتحہ نہ پڑھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ اس شخص سے متعلق ہے جو اکیلے نماز پڑھے۔ جو امام کے پیچھے نماز پڑھے۔ اس پر سورۃ فاتحہ پڑھنا لازم نہیں۔ حدیث میں مراد رسول کو پہنچنا نہایت گہرا علم ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ جو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ دونوں کے استاد تھے۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی اس شرح حدیث سے بہت متاثر تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ فاتحہ خلف الامام کے قائل تھے۔ مگر یہ فرماتے کہ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھے بغیر نماز ہو جاتی ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"واما احمد بن حنبل فقال معنی قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لاصلوۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب اذا کان وحدہ واحتج بحدیث جابر بن عبداللہ قال من صلی رکعۃ لم یقرأ فیہا بام القرآن یصل الا ان یکون وراء الامام قال احمد فھذا رجل من اصحاب النبی ﷺ تاول قول النبی ﷺ لاصلوۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتب ان ھذا اذا کان وحدہ" (جامع ترمذی جلد ۱ص ۴۲)

''امام احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کی حدیث لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب کا معنی یہ ہے کہ نمازی جب اکیلا نماز پڑھے تو فاتحہ پڑھے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ اور آپ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے دلیل پکڑی ہے، آپ فرماتے ہیں جس نے ایک رکعت پڑھی اور اس میں سورۃ فاتحہ نہ

پڑھی اس کی نماز نہ ہوئی مگر جبکہ وہ امام کے پیچھے ہو۔ امام احمد
رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے
صحابی ہیں وہ حضور ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ بیان کر رہے ہیں
کہ حدیث لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ سے مراد یہ ہے کہ نمازی جب
اکیلا ہو''۔

یہ چھٹے کثیر الروایہ صحابی ہیں۔ ان کی مرویات کی تعداد ۱۵۴۰ ہے۔ ان کے والد کا نام ونسب عبداللہ بن عمرو بن حرام انصاری ہے۔ بنو سلمہ انصار کی ایک شاخ تھی۔ اس کی طرف نسبت کر کے ان کے والد کو سلمی کہا جاتا ہے۔ حضرت جابر نے اپنے والد اور ماموں کے ہمراہ ان ستر انصار کے ساتھ عقبہ ثانیہ میں شرکت کی تھی۔ جنہوں نے آنحضور ﷺ کی نصرت ورفاقت اور دین اسلام کی اشاعت کے سلسلہ میں آپ کی بیعت کی تھی۔ جابر رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر واحد کے سوا سب غزوات میں شریک ہوئے تھے۔ وہ خود فرماتے ہیں:

''میں نے انیس ۱۹ لڑائیوں میں آنحضور ﷺ کے ساتھ شرکت
کی۔ غزوۂ احد وبدر میں اس لیے شریک نہ ہو سکا کہ میرے والد
نے مجھے روک دیا تھا۔ جب والد شہید ہو گئے تو میں کسی لڑائی میں
آپ سے پیچھے نہ رہا''۔

حضرت جابرؓ دیار مصر وشام بھی گئے تھے۔ لوگوں نے وہاں ان سے خوب استفادہ کیا۔ مسجد نبوی میں ان کا ایک خاص حلقہ ہوتا تھا۔ جس میں لوگ جمع ہوتے اور ان کے علم وتقویٰ سے مستفید ہوتے تھے۔ آپ مدینہ میں ۷۴ھ میں فوت ہوئے۔ اس وقت کے والی مدینہ ابان بن عثمان نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔

(۱۱) حضرت جندب ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ

آپ کا اسم گرامی جندب رضی اللہ عنہ یا بریر کنیت ابوذر رضی اللہ عنہ والد کا نام جنادہ اور والدہ کا رملہ رضی اللہ عنہا بنت ربیعہ تھا۔ اور قبیلہ بنو غفار سے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ السابقون الاولون پانچویں اسلام لانے والوں کی صف میں شمار ہوتے ہیں جب مکہ معظمہ میں اسلام کی دعوت قبول کرنے کے لیے خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے اس وقت آپ رضی اللہ عنہ کے سر اور داڑھی مبارک کے بال سفید ہو رہے تھے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کی عمر ساٹھ سال سے زیادہ ہوگی اور آپ رضی اللہ عنہ کا رنگ گہرا سانولا تھا اور بہت خوش الحان تھے۔

آپ رضی اللہ عنہ سے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، زید بن وہب رضی اللہ عنہ، جبیر بن نفیر، احنف بن قیس رضی اللہ عنہ اور قدمائے تابعین میں سے ایک کثیر تعداد نے روایات لی ہیں۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں۔

"وکان یوازی ابن مسعود فی العلم"

علم میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے برابر اترتے تھے۔

حدیث روایت کرنا سب سے بڑا فرض جانتے تھے۔ خود فرماتے ہیں:

"قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر تم تلوار میری گردن پر رکھ دو اور مجھے گمان ہو کہ قبل اس کے کہ تم اس تلوار کو چلا دو میں حضور ﷺ کی ایک بات جو میں نے آپ رضی اللہ عنہ سے سنی اور روایت کر سکتا ہوں تو میں ضرور اسے روایت کر گزروں گا"۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۸)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کس طرح حضور ﷺ کی احادیث کو ایک علمی امانت سمجھتے تھے اور انہیں آگے پہنچانے کی ان حضرات رضی اللہ عنہم کو کتنی فکر تھی۔ اتفاق دیکھیے کہ آپ رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ایک ہی سال

فوت ہوئے، ابوذر غفاری نے حضرت عمر، ابن عباس، ابن عمر رضی اللہ عنہم اور دیگر صحابہ سے حدیثیں روایت کیں۔ آپ سے احنف بن قیس عبدالرحمٰن بن غنم عطاء اور دوسروں لوگوں نے روایت کی۔ آپ سے مرویات کی تعداد ۲۸۱ ہے۔

وفات

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے مقام ربذہ رہائش اختیار کی ہوئی تھی۔ ایک دفعہ ربذہ کے تمام لوگ حج کے لیے روانہ ہو گئے تھے اور حضرت ابوذر بیمار ہو گئے۔ ان کی تیمارداری کرنے والی ان کی رفیقۂ حیات اور ایک صاحبزادی موجود تھی ان پر نزع کی حالت طاری ہوئی تو ان کی رفیقۂ حیات رونے لگیں آپ رضی اللہ عنہ نے دھیمی آواز میں پوچھا روتی کیوں ہو۔ اس نے کہا کہ آپ رضی اللہ عنہ ویرانے میں اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو رہے ہو میرے پاس کفن کے لیے کپڑا بھی نہیں ہے اور نہ ہی میں قبر کھود سکتی ہوں اور اس جگہ کے تمام لوگ حج پہ گئے ہوئے ہیں۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ خلیل رسول ﷺ نے فرمایا: "توجہ سے سنو ایک دن چند لوگ رحمت دو عالم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر تھے۔ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا تم میں ایک شخص صحرا میں انتقال کرے گا۔ اور اس کے جنازے میں مسلمانوں کی ایک جماعت باہر سے آکر شرکت کرے گی۔ اس وقت جو لوگ موجود تھے۔ وہ سب کے سب انتقال کر چکے ہوں گے۔ اب صرف میں ہی باقی رہ گیا ہوں اور کوئی وجہ نہیں کہ ہادی برحق رسول کرم ﷺ کی پیش گوئی کا مصداق نہ بنوں۔ تم گھبراؤ نہیں باہر جا کر دیکھو رحمت دو عالم ﷺ کے ارشاد گرامی کے مطابق مسلمانوں کی کوئی جماعت ضرور آ رہی ہوگی"۔ پاس ہی ایک ریت کا اونچا ٹیلہ تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ اس پر چڑھ کر انتظار میں تھی کہ دور سے گرد اڑتی نظر آئی۔ اور پھر اس میں چند سوار نمودار ہوئے جب وہ قریب آئے تو اس نے کہا بھائیو! قریب ہی ایک مسلمان سفر آخرت کے لیے تیاری کر رہا ہے اس کے کفن اور دفن میں میری مدد کرو"۔ قافلے والوں نے پوچھا وہ کون ہے۔ جواب دیا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ، حضرت ابوذر غفاری رضی

اللہ عنہ کا نام سنتے ہی قافلے والے بے تاب ہو گئے اور ان سب کی آنکھیں پرنم ہو گئیں اور پوچھا وہ کہاں ہیں ہمارے والدین ان پر قربان ہوں سواریوں سے اتر کر ان کے گھر میں آئے اور اسلام علیکم کہہ کر خیمہ میں بیٹھ گئے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے اکھڑی ہوئی آواز میں قافلے والوں سے فرمایا: ''تم لوگوں کو مبارک ہو کہ تمہارے یہاں پہنچنے کی خبر سالہا سال پہلے رسول اکرم ﷺ نے دی تھی۔ میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ مجھے کوئی ایسا شخص نہ کفنائے جو حکومت کا عہدہ دار رہ چکا ہو''۔ اتفاق سے ان میں انصاری نوجوان کے سوا باقی سب کسی نہ کسی صورت میں حکومت میں رہ چکے تھے۔ اس انصاری نے آگے بڑھ کر کہا: ''اے رسول اکرم ﷺ کے خلیل میں آج تک حکومت کی ملازمت سے بے تعلق ہوں اور میرے پاس دو کپڑے ہیں جو کہ میری والدہ کے ہاتھ کے کتے بنے ہوئے ہیں۔ اجازت ہو تو ان میں آپ رضی اللہ عنہ کو کفنا دوں''۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے اثبات میں سر ہلایا اور پھر ''بسم اللہ و باللہ و علی ملۃ رسول اللہ'' کہہ کر اللہ تعالیٰ سے جا واصل ہوئے ماہ ذوالحجہ ۳۲ ہجری تھی۔ رضی اللہ عنہ

اس قافلے کے اکثر لوگ یمنی تھے اور اتفاق سے ان میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی تھے انہوں نے نماز جنازہ پڑھائی اور شمع رسالت ﷺ کے پروانہ راز دان رسول خلیل رسول ﷺ آفتاب رشد و ہدایت کو سپرد خاک کر دیا۔ لحد پر کروڑ بار رحمتیں نازل ہوں۔

علامہ طبری بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے واپس چلتے وقت ان کے اہل و عیال کو ساتھ لے لیا اور مکہ معظمہ پہنچ کر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دیا۔

دوسری روایت میں ہے کہ حج سے واپسی پر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے انہیں ربذہ سے مدینہ طیبہ لے گئے اور ہمیشہ کفیل رہے۔ (ربذہ صحرائے عرب میں ایک چھوٹا سا گاؤں ہے)

(۱۲) حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ

آپ کا اسم گرامی حذیفہ کنیت ابوعبداللہ لقب صاحب السر رسول اللہ ﷺ (یعنی محرم راز رسول اللہ ﷺ یا محرم اسرار نبوت) تھا۔ حافظ ابن عبدالبر نے "استیعاب" میں لکھا ہے کہ اس لقب کی وجہ تسمیہ یہ تھی کہ سرور کونین ﷺ نے انہیں منافقین کے نام بتا دیئے تھے جن کو وہ رازداری کے ساتھ محفوظ رکھتے تھے۔ والد گرامی کا نام الیمان کے نام سے مشہور ہوئے مگر ان کا اصلی نام حسل یا حسیل تھا اور بنو غطفان کے خاندان عبس سے تعلق اور اصل وطن یمن تھا۔

حلیہ

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ میانہ قد، مضبوط جسم۔ آگے کے دانت نہایت ہی خوبصورت اور چمکدار تھے ان سے نور کی شعاعیں نکلتی تھیں۔ نظر اتنی تیز تھی کہ صبح کاذب میں تیر کا نشانہ دیکھ لیتے تھے۔ بہت ہی تیز دوڑنے والے تھے بے خوف بہادر اور نڈر تھے۔

احادیث

آپ رضی اللہ عنہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ، جیسے اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم نے احادیث روایت کی ہیں اور تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ کی تو ایک بڑی تعداد نے آپ رضی اللہ عنہ سے احادیث روایت کی ہیں۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے سو (۱۰۰) سے کچھ زائد احادیث مروی ہیں۔ ان کو سلطنت کے کاموں سے بہت کم فرصت ملتی تھی۔ لیکن جب بھی موقع ملتا لوگوں کو درس حدیث دیا کرتے تھے۔ لوگ ان کا انتہائی ادب واحترام کرتے تھے حلقہ درس میں کسی کی مجال نہ تھی کہ اونچی آواز سے بات یا سرگوشی کرے ان کے راویان حدیث میں

حضرت جابر بن عبداللہ انصاری، حضرت عبداللہ بن زید خطمی، حضرت ابوالطفیل، حضرت ربعی بن خراش، حضرت ابوادریس خولانی، حضرت زر بن حبیش، حضرت ابووائل، حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ اور حضرت ہمام بن الحارث رضی اللہ عنہم جیسے جلیل القدر صحابہ اور تابعین شامل ہیں۔

انتقال

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے چالیس روز بعد ۳۵ھ مدائن میں انتقال کر گئے۔ زندگی کے آخری ایام میں اکثر عبادت و ریاضت میں مشغول رہتے تھے۔ اور قبر کی دہشت کو یاد کر کے اکثر رویا کرتے تھے اور فرماتے کہ میرا رونا آخرت کے خوف کے سبب سے ہے۔ نا معلوم وہاں میرے ساتھ کیا پیش آئے۔ اور عالم نزع کے وقت یہ الفاظ تھے۔ الٰہی اپنی ملاقات میرے لیے مبارک کرنا کہ میں دنیا کی ہر شے سے تجھے محبوب رکھتا ہوں۔

اولاد

حضرت بلال رضی اللہ عنہ۔ حضرت صفوان رضی اللہ عنہ۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ۔ حضرت سعید رضی اللہ عنہ۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ عاشق رسول ﷺ۔ فنا فی الرسول۔ محرم رازدان رسول ﷺ، متبع شریعت متوکل، قانع مجسمہ سادگی انصاف پسند، عادل لوگوں میں بے حد مقبول۔ مستجاب الدعاء، زاہد عابد۔ شجاع۔ جود و سخا۔ فیاض نمایاں ابواب تھے۔ رضی اللہ عنہ

(۱۳) حضرت عمران حصینؓ رضی اللہ عنہ

خیبر کے سال اسلام لائے۔ آپ رضی اللہ عنہ کا اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا اسلام لانے کا ایک ہی سال ہے۔

" کان من فضلاء الصحابة وفقهائهم" (الاکمال،ص ۶۱۱)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہ کو بصرہ روانہ فرمایا۔ تاکہ وہاں کے لوگوں کو فقہ کی تعلیم دیں۔ (تذکرہ ج ۱، ص ۲۸) ۔ آپ رضی اللہ عنہ نے پھر پوری زندگی وہیں بسر کردی۔ آپ رضی اللہ عنہ سے حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ، امام محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ شعبی رحمۃ اللہ علیہ جیسے اکابر تابعین رضی اللہ عنہم نے روایات لی ہیں۔ حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وله احاديث عدة في الكتب وكان من البناء الصحابة وفضلائهم" (ایضاً)

آپ رضی اللہ عنہ ان پانچ ممتاز صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ہیں جو صفین کے معرکہ میں اہلِ شام اور اہلِ عراق میں سے کسی کے ساتھ شامل نہیں ہوئے۔

(۱۴) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

آپ کا اسم گرامی حضرت سعد رضی اللہ عنہ ابو اسحٰق کنیت والد گرامی ابی وقاص مالک تھے اور والدہ ماجدہ کا نام حمنہ بنت سفیان بن امیہ تھا۔

آپ رضی اللہ عنہ کی ولادت مکہ معظمہ میں ۵۹۲ء میں ہوئی نام سعد رکھا گیا۔ قبیلہ بنو زہرہ سے اور عشرہ مبشرہ صحابی رسول ﷺ تھے۔

دعا

ایک دن رحمت دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ سعد رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی میری محبت میں اوڑھنا اور بچھونا بنا لیا ہے اور ہر وقت اپنی عزیز جان کو مجھ پر قربان کرنے کے لیے تیار رہتے ہیں۔ اس والہانہ محبت کی وجہ سے ان کو بارگاہ نبوت میں خصوصی قرب حاصل ہو گیا۔ اس مرتبہ رحمت دو عالم ﷺ نے ان کے حق میں دعا فرمائی:

"یا رب العالمین اس کی دعا کو قبول فرما اور نیک بندوں میں شمار فرما اور اس کی تیر اندازی درست رکھ۔ آمین"۔

اس دعا مبارک سے آپ رضی اللہ عنہ مستجاب الدعاء ہو گئے تھے۔ اور اکثر لوگ آپ رضی اللہ عنہ سے دعا کرواتے رہتے تھے۔ اور آپ رضی اللہ عنہ کی بددعا سے خوف کھاتے تھے۔

بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے شوق جہاد، بہادری اور شجاعت کی وجہ سے اکثر لوگ ان کو فارس الاسلام، شہسوار اسلام کہہ کر پکارتے تھے۔

ازواج و اولاد

حضرت سعد بن ابی وقاص نے مختلف اوقات میں متعدد نکاح کیے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں کثیر اولاد سے نوازا۔ اہل سیر نے اٹھارہ بیٹے اور اٹھارہ بیٹیوں کے نام تخصیص کے ساتھ لکھے ہیں۔

حلیہ مبارک

ابن سعد رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا حلیہ مبارک یوں لکھا ہے۔ قد چھوٹا۔ سر بڑا۔ جسم فربہ۔ بال گھنے۔ بازو قوی۔ پیشانی نور سے تاباں۔ بارعب وجاہت۔ ہتھوں کی انگلیاں موٹی اور مضبوط۔

احادیث

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے دو سو چودہ حدیثیں مروی ہیں۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ جب قرآن مجید کی تلاوت کرتے تو دو آنکھیں پرنم ہوتیں آپ رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ تلاوت قرآن مجید کے وقت خوب آنسوں بہاؤ کیونکہ اس سے قرب خداوندی حاصل ہوتا ہے۔

آپ رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ہیں۔ جنگ بدر میں شامل ہوئے۔ پہلے فرد ہیں جنہوں نے اللہ کی راہ میں تیر چلایا۔ آپ رضی اللہ عنہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بھی روایات لی ہیں۔ حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ، حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ، ابو عثمان النہدی اور حضرت مجاہد جیسے اکابر تابعین آپ رضی اللہ عنہم کے شاگرد تھے۔

آپ رضی اللہ عنہ معرکہ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں سے کنارہ کش رہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ رضی اللہ عنہ کے اس موقف میں آپ رضی اللہ عنہ پر رشک کرتے تھے۔

فضائل

آپ رضی اللہ عنہ جب بھی کسی مسلمان کو کسی تکلیف میں دیکھتے تو دونوں آنکھوں سے آنسو بہہ نکلتے تھے اور آپ دینی اور دنیاوی ہر لحاظ سے اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے مگر طبیعت میں تواضع۔ انکساری۔ بردبار۔ حلیم الطبع۔ مستجاب الدعاء۔ مجسمہ خشیت الٰہی۔

شب بیدار، صحابی رسول ﷺ۔ ثانی الرسول ﷺ۔ تعبد اللہ کا نگ تراہ یکے از عشرہ مبشرہ۔ الصلوٰۃ معراج المومن۔ غریبوں محتاجوں کے ہمدرد فیاض اور جود وسخا میں بمثل سمندر تھے۔ مساکین کے لیے آپ کے گھر کے دروازے ہر وقت کھلے رہتے تھے۔ دینی مدارس اور مساجد کے لیے دل کھول کر عطیے دیتے تھے۔ اگر کوئی سپاہی شہید ہو جاتا اس کا قرض ادا کرتے اور بچوں کی نگہداشت فرماتے تھے۔ اور آخری عمر میں بمقام عقیق گوشہ نشین ہو گئے تھے اور یکسوئی سے خداوند کریم کی عبادت کیا کرتے تھے۔

انتقال

آپ کا مقام عقیق ۵۵ھ میں یاحی یاقیوم کا ورد کرتے ہوئے اور زبان مبارک سے کلمہ طیبہ جاری تھا کہ حی القیوم سے جا واصل ہوئے۔ اس وقت آپ رضی اللہ عنہ کی عمر تقریباً بیاسی سال (۸۲) کی تھی۔ آپ کا جنازہ مدینہ طیبہ لایا گیا تو وہاں کہرام مچ گیا۔ اور ہر طرف سے لوگ جنازہ میں شرکت کے لیے اُمڈ آئے اور سبھی لوگ چشم پرنم تھے۔ تمام عشرہ مبشرہ میں سب سے بعد آپ کا ارتحال ہوا۔ نماز جنازہ والی مدینہ مروان بن الحکم نے امہات المومنین کے حجروں کے سامنے پڑھائی اور بقیع میں مدفون ہوئے۔ رضی اللہ عنہ

(۱۵) حضرت ابو ہریرہ الدوسی الیمانی رضی اللہ عنہ

ابتدائی حالات

جاہلیت میں نام عبد الشمس تھا۔ والد نے کنیت ابو ہریرہ رکھی۔ اسلام لانے کے بعد عبد الرحمٰن سے موسوم ہوئے۔ خیبر کے سال اسلام لائے۔ مدینہ ہجرت کی۔ اصحاب صفہ رضی اللہ عنہم میں سے تھے۔ حضور ﷺ سے علم کثیر پایا۔ حضور ﷺ کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور دوسرے کئی اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے روایات لیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ سے آٹھ سو کے قریب لوگوں نے روایات لیں۔ ممتاز شاگردوں میں ہمام بن منبہ (۱۱۰ھ) سعید بن المسیب (۹۳ھ) مجاہد (۱۰۰ھ) علامہ شعبی (۱۰۳ھ) ابن سیرین (۱۱۰ھ) عطاء بن ابی رباح (۱۱۵ھ) عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہم کے اسماء خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

ابو صالح السمان کہتے ہیں:

"کان ابو هريرة من احفظ اصحاب محمد صلى الله عليه وسلم"

اور وہ خود فرماتے ہیں۔

"لا اعرف احدا من اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم احفظ لحديثه مني" (تذکرہ ج ۱ ص ۳۴)

"حضور ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی کو نہیں جانتا کہ وہ مجھ سے حضور ﷺ کی احادیث کا زیادہ یاد کرنے والا ہو"۔

جہاں تک روایت کا تعلق آپ رضی اللہ عنہ سوائے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے باقی سب صحابہ رضی اللہ عنہم سے آگے تھے اور وجہ یہ تھی کہ

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے حدیثیں لکھ لیا کرتے تھے۔ اور حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ لکھتے نہ تھے۔ (صحیح البخاری ج ا ص ۲۷)

آنحضرت ﷺ نے آپ رضی اللہ عنہ کو قوتِ حافظہ کا دم کیا تھا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس کے بعد کبھی نہ بھولے آپ رضی اللہ عنہ سے ساڑھے پانچ ہزار کے قریب حدیثیں مروی ہیں۔ ان میں سے صحیح بخاری میں ۴۴۸ اور صحیح مسلم میں ۵۳۵ حدیثیں مروی ہیں۔

حضور ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بھی احادیث لکھنی شروع کر دی تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہ اپنے تلامذہ کو یہ تحریرات گاہے بگاہے دکھا بھی دیتے تھے۔ (جامع بیان العلم جلد ا ص ۷۴) آپ رضی اللہ عنہ کے شاگردوں نے جو حدیثی مجموعے تیار کیے اُن میں امام بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ کا صحیفہ بہت معروف ہے اور چھپ بھی چکا ہے۔

اس درجہ کے عظیم محدث ہونے کے ساتھ ساتھ آپ رضی اللہ عنہ بلند پایہ فقیہ بھی تھے امام ذہبی نے "الفقیہ صاحب رسول اللہ ﷺ" کہہ کر آپ رضی اللہ عنہ کا تعارف کرایا ہے اور لکھا ہے:

"کان من اوعیۃ العلم و من کبار ائمۃ الفتوی مع الجلالۃ والعبادۃ والتواضع" (تذکرہ ص ۳۱)

"علم کا محفوظ خزانہ تھے فتویٰ دینے والے بڑے ائمہ میں سے تھے جلالت عبادت اور تواضع والے تھے"۔

حلیہ مبارکہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا رنگ گندم گوں تھا، دانت چمکدار، آگے کے دونوں دانتوں کے درمیان ذرا فاصلہ تھا۔ چھاتی چوڑی، سر پہ زلفیں تھیں جو دو حصوں میں تقسیم ہو کر دونوں مونڈھوں پر پڑی رہتی تھیں۔ بال سفید اور ریشم کی طرح نرم تھے۔ داڑھی کو مہندی کا خضاب لگاتے تھے جس سے وہ سرخ نظر آتی تھی۔ (سیر الصحابہ رضی اللہ عنہم)

خاندان و قبیلہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا نسبی تعلق قبیلہ ''دوس'' سے ہے، قبیلہ دوس عرب قبیلے ''ازد'' کی ایک شاخ ہے جب کہ اس نے اپنے مورث اعلیٰ ''دوس'' کے نام کی نسبت سے شہرت پائی ہے، علامہ ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ نے ان کا سلسلہ نسب اس طرح بیان کیا ہے۔

دوس بن عدنان بن عبداللہ بن زاہدان بن کعب بن حارث بن کعب بن مالک ابن نضر بن ازد۔ (اسد الغابہ، ج ۵ ص ۳۱۵)

عام روایات کے مطابق بنو دوس یمن کے ایک گوشے میں آباد تھے، یہ گوشا ایک پہاڑ کے دامن میں تھا جب کہ بعض علماء نے قیاس ظاہر کیا ہے کہ قبیلہ دوس کی سکونت ''تبالہ'' کے قرب و جوار میں تھی۔

ولادت باسعادت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ولادت ہجرت نبوی ﷺ سے تقریباً چوبیس برس قبل اپنے وطن میں ہوئی تھی۔

علمی زندگی

اللہ تعالیٰ نے علم دین جو کہ دین اسلام کے تحفظ و بقا کا ضامن ہے کی تحصیل کا ذوق و شوق اپنی تقدیر قوی اور تدبیر خفی سے آپ رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی میں ودیعت رکھا تھا۔ اس کو ہرنایب کے ساتھ ساتھ سرور کائنات ﷺ کی خصوصی توجہ اور شفقت و مہربانی بھی آپ رضی اللہ عنہ پر مرکوز تھی جس سے ذوق علم کو جلا ملی، یہاں تک کہ چشم فلک نے وہ منظر بھی دیکھا جب سید الرسل ﷺ نے آپ رضی اللہ عنہ کو ''وعاء العلم'' (علم کا ظرف) سے موسوم فرما کر آپ رضی اللہ عنہ کے تبحر علمی کی تصدیق فرمائی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو فن حدیث کے علاوہ دیگر علوم میں بھی مہارت اور

کمال حاصل تھا۔ یہ اور بات ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے تادمِ آخر اشاعتِ حدیث مبارک کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنائے رکھا، اسی وجہ سے آپ رضی اللہ عنہ کا شمار کثرت سے روایت کرنے والے حضرات میں ہوتا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ کی مرویات کی تعداد پانچ ہزار تین سو چوہتر (۵۳۷۴) ہے۔ دورانِ روایات کی ایک خاص بات یہ بھی ہے کہ یہ روایات کسی خاص شعبہ دین سے متعلق نہیں ہیں بلکہ دین کے تمام احکام و مسائل سے تعلق رکھتی ہیں اور اکثر روایات مرفوع ہیں۔ (یعنی رسول اللہ ﷺ سے براہِ راست نقل فرمائی ہے)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے آٹھ سو سے زیادہ راویانِ حدیث نے استفادہ کیا ہے، جن میں متعدد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم، صحابیات رضی اللہ عنہن کے علاوہ کثیر تعداد میں ائمہ تابعین اور جید علمائے حدیث بھی شامل ہیں۔ (البدایہ والنہایہ، ج ۸ ص ۱۰۳)

کثرتِ روایت کا سبب

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس کثرت سے احادیث مبارکہ روایت فرمائی ہیں، ان کا سبب اور پس منظر جو کہ متعدد مرویات میں ملتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ درسگاہِ رسالت کے ایسے حاضر باش طالب علم تھے کہ جنہوں نے رسول اقدس ﷺ سے استماعِ حدیث کے لئے اپنا سب کچھ قربان کر دیا تھا۔ جو مال و متاع، کاروبار و تجارت، بال بچوں کے جھنجٹ سے آزاد ہو اور بے پرواہ ہو کر اپنی ذات کو ہر لمحہ خدمتِ پیغمبر ﷺ کے لئے وقف کر رکھا تھا جب کہ دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رشتۂ ازدواج سے منسلک ہونے کی بنا پر اور تجارت و ذریعہ معاش اختیار کرنے کی وجہ سے اتنا وقت بارگاہِ رسالت میں نہیں دے سکتے تھے، اس کے ساتھ ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خصوصی دعا بھی آپ رضی اللہ عنہ کے شاملِ حال تھی۔

(البدایہ والنہایہ، ج ۸ ص ۱۰۹)

بحیثیت مفتی

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ایک عظیم راوی حدیث ہونے کے ساتھ ساتھ صاحب فتویٰ بھی تھے، علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں:

آپ رضی اللہ عنہ علم کا ظرف تھے اور صاحب فتویٰ آئمہ کی جماعت میں بلند پایہ رکھتے تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ ج اص ۱۸)

زیاد بن مینا رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ

حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت ابوسعید خدری، حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت ابو ہریرہ اور بعض دوسرے صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) مدینہ طیبہ میں فتویٰ دیا کرتے تھے۔

(سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۳۳۷)

بعض روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ سے کچھ زیادہ تعداد میں فتاویٰ جات منقول نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ فتویٰ دینے میں نہایت محتاط تھے اور آپ رضی اللہ عنہ کا شمار صاحب فتویٰ کے طبقہ متوسط میں ہوتا ہے۔

میں آپ ﷺ سے علم کا سوال کرتا ہوں

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو رسول اکرم ﷺ کے ارشادات سننے کا اس قدر شوق تھا کہ اس کی کوئی انتہاء نہیں تھی، مدینہ منورہ آنے کے بعد انہوں نے ہمیشہ یہی کوشش کی کہ سفر ہو یا حضر، وہ اپنے وقت کا زیادہ سے زیادہ حصہ بارگاہ رسالت میں گزاریں۔ یوں ایک طرف تو آپ ﷺ کی خدمت کی سعادت حاصل کریں اور دوسری طرف زیادہ سے زیادہ ارشادات نبوی ﷺ کو اپنے دل و دماغ میں محفوظ کرلیں اور اس شوق کے سامنے دنیا کا مال و زر ان کی نظروں میں ہیچ تھا۔

ایک دفعہ رسول اکرم ﷺ مال غنیمت تقسیم فرما رہے تھے اور لوگ مانگ مانگ کر اپنا حصہ لے جا رہے تھے لیکن حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ خاموش بیٹھے تھے۔

رسول اقدس ﷺ نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا: اے ابو ہریرہ! تمہارے ساتھی مال غنیمت کا سوال کرتے ہیں تم اس کا سوال کیوں نہیں کرتے؟ انہوں نے عرض کیا۔

یا رسول اللہ (ﷺ)! میں آپ سے اس علم کا سوال کرتا ہوں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو دیا ہے۔ (سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۵۹۲)

علم کی پیاس

رسول اکرم ﷺ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے اشتیاق اور حرص حدیث سے پوری طرح آگاہ تھے چنانچہ جب ایک موقع پر انہوں نے رسول اقدس ﷺ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! قیامت کے دن آپ کی شفاعت سے کون خوش بخت بہرہ مند ہوں گے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اے ابو ہریرہ! جب سے میں نے تمہاری حرص حدیث کا اندازہ کیا ہے تو مجھے یقین ہوا کہ تمہارے سوا کوئی دوسرا شخص اس بارے میں مجھ سے سوال نہیں کرے گا۔ (رواہ البخاری ج ۱ ص ۲۰)

کثرت روایت کا عالم

بعض اوقات حدیث کا شوق رکھنے والے حضرات حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے وقت اور جگہ کا تعین کر کے حدیثیں سننے کے لئے حاضر ہوتے۔

حضرت مکحول الدمشقی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ لوگوں نے ایک دفعہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے طے کیا کہ وہ فلاں رات امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے تعمیر کئے ہوئے فلاں قبہ میں آ کر ان سے حدیثیں سنیں گے، چنانچہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مقررہ وقت پر وہاں تشریف لے گئے اور رات بھر لوگوں کو میراث نبوت ﷺ تقسیم کرتے رہے۔ (البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۰۶)

کثرت روایت کا سبب

ایک دفعہ مروان بن الحکم کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی کوئی بات ناگوار گزری

تو اس نے غصہ میں آکر کہا:

لوگ کہتے ہیں کہ ابو ہریرہ بہت حدیثیں روایت کرتے ہیں حالانکہ آپ صحبت نبوی ﷺ میں بہت کم رہے اس لئے کہ آپ رسول اللہ ﷺ کی وفات سے تھوڑی ہی مدت پہلے مدینہ آئے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

ہاں یہ درست ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں غزوہ خیبر کے موقع پر حاضر ہوا، اس وقت میری عمر ۳۰ سال سے کچھ اوپر تھی، پھر میں اس وقت تک سایہ کی طرح آپ ﷺ کے ساتھ رہا، جب آپ ﷺ اس دنیائے فانی سے رخصت ہوئے۔ میں آپ ﷺ کے ساتھ آپ ﷺ کے گھروں میں جاتا تھا، آپ ﷺ کی خدمت کرتا تھا، آپ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھتا تھا، آپ ﷺ کی ہمرکابی میں حج کیا، آپ ﷺ کے ساتھ غزوہ میں شریک رہتا تھا، اللہ کی قسم! میں دوسرے لوگوں سے زیادہ حدیثوں سے واقف ہوں۔ (الاصابہ ج ۷ ص ۲۰۵)

ایک اور روایت میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اپنی کثرت روایت کا پس منظر یوں بیان کرتے ہیں:

تم کہتے ہو! ابو ہریرہ بہت حدیثیں روایت کرتے ہیں، حالانکہ مہاجرین ایسا نہیں کرتے، اللہ شاہد ہے کہ حقیقت حال یہ ہے کہ مہاجرین اپنی زمینوں کی دیکھ بھال میں وقت گزارتے تھے لیکن میں ایک مسکین آدمی تھا، اپنا پیٹ بھرنے کے سوا مجھے دنیا کی کوئی چیز درکار نہ تھی، اس لئے مجھے سب سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر رہنے کا موقع میسر آتا، جب وہ غیر حاضر ہوتے تو میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتا، جب آپ ﷺ

کے ارشادات کو بھول جاتے تو میں یاد رکھتا، ایک دن رسول اللہ ﷺ
نے فرمایا کہ کون ہے جو اپنا چادر بچھائے اور پھر اسے سمیٹ لے
ایسے شخص کو مجھ سے سنی ہوئی بات کبھی نہیں بھولے گی، میں نے اپنی
چادر بچھا دی، آپ ﷺ گفتگو فرماتے رہے، پھر آپ ﷺ
نے گفتگو ختم کی تو میں نے چادر کو سمیٹ لیا، اللہ کی قسم! اس کے بعد
میں نے آپ ﷺ کا جو ارشاد بھی سنا اسے کبھی نہیں بھولا۔

(فتح الباری، ج ۱ ص ۲۲۴۔ مسند احمد، ج ۲ ص ۱۷۰)

ذہانت

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو ذہانت و فطانت کے ساتھ غیر معمولی قوت حافظہ بھی عطا کی تھی، شروع شروع میں رسول اکرم ﷺ سے بعض ارشادات حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ذہن سے محو ہو جاتے تھے، یہ بات ان کے لئے سوہان روح تھی، چنانچہ وہ ایک دن رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! میں آپ سے بہت سی روایات سنتا ہوں لیکن آپ ﷺ کے ارشادات بھول جاتا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: چادر بچھاؤ۔

آپ رضی اللہ عنہ نے چادر بچھائی تو رسول اقدس ﷺ نے دونوں ہاتھوں سے لپ بنا کر اس چادر پر ڈال دی، پھر فرمایا کہ اس چادر کو لپیٹ کر اپنے سینے سے لگاؤ، میں نے اسے سینے سے لگا لیا اس کے بعد میں کبھی آپ ﷺ کا ارشاد نہیں بھولا۔

(رواہ البخاری، کتاب العلم، ج ۱ ص ۲۰)

علامہ ابو بکر القسطلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی دعا سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ میں نسیان کی کمزوری باقی نہ رہی۔ درحقیقت ایسا ہونا رسول اکرم ﷺ کا معجزہ تھا اور ایسے امور کا عقل انسانی احاطہ نہیں کر سکتی۔

(قسطلانی، ج ۱ ص ۲۰۸)

حفظِ حدیث کا امتحان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حفظ احادیث کو عبادت کا درجہ دیتے تھے اور اپنے قوی حافظہ اور سنی ہوئی احادیث کے اعادہ و تکرار کی بدولت وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سب سے بڑھ کر حافظ حدیث ہو گئے تھے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانے کا واقعہ ہے کہ مدینہ منورہ کے امیر مروان بن حکم نے حفظ حدیث کے معاملے میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا امتحان لینا چاہا، اس مقصد کے حصول کے لئے اس نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ اپنے ایک معتمد یا کاتب ابوالزعیزعہ کو پردے کے پیچھے بٹھایا اور اسے حکم دیا کہ میں ابو ہریرہ سے جو احادیث پوچھوں اور وہ جس طرح انہیں روایت کریں تم ان کو لکھتے جاؤ۔ پھر اس نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو بلایا، آپ رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو مروان نے حسب ارادہ آپ رضی اللہ عنہ سے حدیثیں پوچھنا شروع کیں، مروان احادیث پوچھتا جاتا، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ احادیث بیان فرماتے جاتے اور ابوالزعیزعہ ان احادیث کو در پردہ لکھتا جاتا تھا۔

ابوالزعیزعہ کا بیان ہے کہ میں نے تمام بیان کردہ احادیث لکھ لیں اور نشست برخاست ہو گئی اور بات آئی گئی ہو گئی۔

ٹھیک ایک سال گزرنے کے بعد مروان نے پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو بلایا اور مجھے پس پردہ احادیث لکھنے کے لئے گزشتہ سال کی طرح بٹھا دیا چنانچہ مروان نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے وہی احادیث مبارکہ دوبارہ پوچھنا شروع کیں جو پچھلے سال پوچھ چکا تھا اور جنہیں میں نے لکھ لیا تھا، گزشتہ سال کی طرح اس سال بھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جواب دیتے رہے اور میں پچھلے سال کی لکھی ہوئی احادیث دیکھتا رہا، اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بغیر کسی کمی بیشی کے تمام احادیث اسی طرح بیان فرمائیں جس طرح کہ پچھلے سال بیان کی تھیں اور مروان نے تمام احادیث سن لیں، یہاں تک کہ ان احادیث کی ترتیب میں بھی کوئی فرق نہ آنے پایا۔

ایک روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں: انہوں نے نہ کوئی زیادتی کی اور نہ کسی کلمے کو آگے پیچھے کیا۔

ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے ایک حرف کی جگہ دوسرا حرف (بھی) نہ رکھا۔ (سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۶۲۱، ۵۹۸ھ ۔ الاصابہ ج ۳ ص ۲۰۸ ۔ البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۰۶)

خود رائی سے اجتناب

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ میں خود رائی اور علمی پندار کا شائبہ تک نہیں تھا اور وہ اپنے کسی فتوے کو بھی اپنی انا کا مسئلہ نہیں بناتے تھے۔ اگر ان کے کسی فتوے پر کسی طرف سے استدراک کیا جاتا اور جس بنیاد پر انہوں نے فتویٰ دیا ہوتا اس کے خلاف کوئی قوی دلیل یا شہادت پیش کر دی جاتی تو وہ اسے خوش دلی سے قبول کر لیتے اور اپنے فتوے سے رجوع کر لیتے تھے۔

ایک دفعہ انہوں نے وعظ میں بیان کیا کہ اگر روزوں کے دنوں میں کسی کو صبح نہانے کی ضرورت پیش آ جائے (یعنی وہ حالت جنابت میں صبح کرے) تو اس دن وہ روزہ نہ رکھے، لوگوں نے جا کر ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے اس مسئلہ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا طرز عمل اس کے خلاف تھا۔ لوگوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو امہات المومنین کے موقف سے آگاہ کیا تو انہوں نے اپنے فتوے سے رجوع کر لیا۔ (رواہ مسلم و مالک۔ کتاب الصوم)

ایک روایت میں ہے کہ جب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے موقف سے آگاہ کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ وہ مجھ سے بہتر جانتی ہیں۔ میں نے یہ حدیث خود رسول اکرم ﷺ سے نہیں سنی بلکہ حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما سے سنی تھی گویا حضرت فضل رضی اللہ عنہ سے سنی ہوئی حدیث کی بناء پر انہوں نے فتویٰ دیا تھا جس سے رجوع کر لیا کیونکہ امہات المومنین رضی اللہ عنہن کی شہادت بہر صورت حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے

زیادہ معتبر تھی۔

بعض فقہاء کرام نے حضرت فضل رضی اللہ عنہ کی روایت کی یہ توجیہ کی ہے کہ شروع میں یہی حکم تھا لیکن بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ (سیرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ص ۲۲۹ بحوالہ انباہ اہل الرسوخ فی الفقہ والحدیث)

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کی نگاہ میں مقام

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ (جو کہ عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہم میں سے ہیں) کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے عرض کیا: اے ابو محمد! کیا یہ یمنی شخص (حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ) آپ سے رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کے بارے میں زیادہ علم رکھتا ہے؟ ہم تو اس سے ایسی روایات سنتے ہیں جو آپ حضرات سے نہیں سنتے (کیا اس کی روایتیں واقعی رسول اکرم ﷺ کی احادیث ہیں؟) کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ اپنی باتیں رسول اللہ ﷺ سے منسوب کر کے بیان کر رہا ہو۔

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: خبردار اس نے رسول اللہ ﷺ سے ایسی روایات سنی ہیں جو ہم نے نہیں سنی۔

وہ ایک مسکین انسان تھے، رسول اللہ ﷺ کے مہمان تھے اور ہر دم بارگاہ رسالت میں حاضر رہتے تھے جب کہ ہم اہل وعیال اور مال ودولت والے تھے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں صرف صبح وشام حاضر ہوتے تھے، مجھے اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ انہوں نے ایسی بات حضور ﷺ سے سنی ہو جو ہم آپ ﷺ سے نہ سن سکے۔

(رواہ الترمذی، کتاب المناقب، ج ۲ ص ۲۳۷، رقم الحدیث: ۳۷۷۲)

ایک دوسری روایت میں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا یہ جملہ منقول ہے کہ ابو ہریرہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے جو کچھ سنا وہ ہم نے بھی سنا مگر ہم بھول گئے اور انہوں نے یاد رکھا۔ (فتح الباری، ج ۸ ص ۷۷)

اب جتنی احادیث چاہیں بیان کریں

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو میرے حدیث روایت کرنے کے بارے میں معلوم ہوا تو انہوں نے مجھے بلا کر فرمایا: جب ہم نبی اکرم ﷺ کے ساتھ فلاں شخص کے گھر گئے تھے تو کیا تم بھی وہاں موجود تھے؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں! اور مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ آپ یہ بات مجھ سے کیوں دریافت کر رہے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بولے: اچھا بتاؤ میں نے یہ بات تم سے کیوں پوچھی ہے؟ میں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے اس روز فرمایا تھا کہ جس نے مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھا اس نے اپنا گھر دوزخ میں بنالیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اچھا اگر آپ کو یہ بات معلوم ہے تو جایئے حدیثیں روایت کیجئے۔ دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اب جتنی احادیث چاہو روایت کرو۔ (سیر اعلام النبلاء، ج ۲ص ۴۳۴)

روایت حدیث میں احتیاط

سیدنا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اگرچہ کثرت سے حدیث بیان فرماتے تھے اور احادیث نبوی میں نشر و اشاعت کا بھی اپنی قدرت کے مطابق مکمل اہتمام کرتے تھے مگر اس کے ساتھ ہی وہ اس بات کا خاص خیال رکھتے تھے کہ حدیث رسول ﷺ میں کوئی دوسری چیز ملنے نہ پائے۔ وہ دوسرے لوگوں کو بھی اس کی تلقین کیا کرتے تھے کہ حدیث بیان کرنے میں سخت احتیاط سے کام لو اور رسول اللہ ﷺ کی طرف کوئی غلط بات ہرگز منسوب نہ کرو۔

ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بازار سے گزرے تو لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا:

> لوگو! جو شخص مجھے جانتا ہے وہ تو جانتا ہی ہے جو نہیں جانتا وہ جان لے کہ میں ابو ہریرہ ہوں، میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے

ہوئے سنا ہے کہ جس نے قصداً محمد کی طرف جھوٹی بات منسوب کی
وہ اپنا گھر دوزخ میں بنالے۔

اور یہی طریقہ کار آپ رضی اللہ عنہ کی زندگی کا معمول بن چکا تھا۔

(ابن عساکر، ج ۲۷ص ۳۸،۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور کتابت حدیث

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حدیثوں کے بارے میں بہت احتیاط سے کام لیتے تھے، چنانچہ بھولنے یا الفاظ کے ردوبدل کے ڈر سے جو کچھ سنتے تھے اس کو قلمبند کر لیتے تھے، فضل بن حسن اپنے والد حسن بن عمرو کا ایک واقعہ خود ان کی زبان سے سنا ہوا بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو ایک حدیث سنائی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس حدیث سے لاعلمی ظاہر کی۔ حسن نے کہا: میں نے یہ حدیث آپ ہی سے سنی ہے۔

فرمایا: اگر مجھ سے سنی ہے تو میرے پاس ضرور لکھی ہوگی، چنانچہ ان کو اپنے ساتھ گھر لے گئے اور ایک کتاب دکھائی جس میں تمام حدیثیں درج تھیں، اس میں وہ حدیث بھی تھی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے تم سے کہا نہ تھا کہ اگر تم نے مجھ سے سنی ہے تو وہ ضرور لکھی ہوگی۔

لیکن صحاح میں ایک روایت میں ہے جو خود ان ہی سے مروی ہے کہ عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما مجھ سے زیادہ حدیث اس لئے جانتے تھے کہ وہ آپ ﷺ کی ان باتوں کو لکھ لیا کرتے تھے اور میں نہیں لکھتا تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی زندگی میں گو نہیں لکھتے تھے مگر بعد کو ان کو بھی لکھنا ضروری معلوم ہوا۔

(سیر الصحابہ رضی اللہ عنہم، ج ۳ ص ۵۷)

سانحہ ارتحال

مشہور قول کے مطابق آپ رضی اللہ عنہ کا سن وفات ۵۹ھ ہے۔ مؤرخین کا بیان

ہے کہ ولید بن عتبہ بن ابی سفیان (نائب مدینہ) نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔

اور جنازے میں شرکاء میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت ابوسعیدؓ اور بے شمار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور دوسرے لوگ بھی موجود تھے اور یہ نماز عصر کے قریب کا واقعہ ہے، آپ کی وفات آپ کے عقیق والے گھر میں ہوئی، وفات کے بعد آپ رضی اللہ عنہ کو مدینہ طیبہ لایا گیا اور آپ کی نماز جنازہ پڑھی گئی، پھر آپ رضی اللہ عنہ کو جنت البقیع میں دفن کر دیا گیا۔ رضی اللہ عنہ

ولید بن عتبہ نے آپ کی وفات کے بارے میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں جواباً لکھا:

> ان کے وارثوں کی دیکھ بھال کرو اور ان سے حسن سلوک کرو اور ان کی طرف دس ہزار درہم بھیج دو اور ان کے اچھے پڑوسی بنو اور ان سے نیکی کرو بلاشبہ ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) کے مددگاروں میں شامل تھے اور آپ ''الدار'' میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔ (البدایہ والنہایہ، ج ۸، ص ۳، ص ۹۳۲)

(۱۲) حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ

خطیب تبریزی آپ رضی اللہ عنہ کے تعارف میں لکھتے ہیں:

"کان من الحفاظ المکثرین عن رسول ﷺ و روی عنہ جماعۃ" (الاکمال، ص ۲۰۱)

" آپ رضی اللہ عنہ ان حفاظِ حدیث میں سے تھے جنہوں نے حضور ﷺ سے کثرت سے روایت کی ہے اور اُن سے (تابعین کی) ایک جماعت روایت کرتی ہے"۔

آپ رضی اللہ عنہ نے خود بھی ایک مجموعہ حدیث جمع کر رکھا تھا۔ ابن سیرین کہتے ہیں اس میں علم کثیر موجود ہے۔ (تہذیب التہذیب ج ۱۱، ص ۲۳۶) حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اُسے روایت کیا ہے۔ (ایضاً ج ۴، ص ۲۳۹) حافظ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ) نے اس مجموعہ حدیث کو نسخہ کبیرہ کہہ کر ذکر کیا ہے۔ (ایضاً ج ۴، ص ۲۳۶) جس سے پتہ چلتا ہے کہ اس میں کثیر حدیثی مواد موجود تھا۔

(۱۷) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما

ان خواص صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ہیں جنہیں حضور ﷺ نے حدیث لکھنے کی اجازت دے رکھی تھی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے خود ایک مجموعہ حدیث لکھا تھا۔ جسے الصادقہ کہتے ہیں۔ ان کے والد ان سے عمر میں صرف تیرہ سال بڑے تھے۔ آنحضرت ﷺ انہیں ان کے والد عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فاتح مصر پر بھی فضیلت دیتے تھے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے صرف ان کے بارے میں اعتراف کیا ہے کہ ان کی روایت کردہ احادیث میری مرویات سے زیادہ ہیں۔

سعید بن المسیب، عروہ بن الزبیر، وہب بن منبہ، عکرمہ وغیرہم سب آپ رضی اللہ عنہ کے شاگرد تھے۔ تابعی کبیر حضرت مجاہد (۱۰۰ھ) ذکر کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک صحیفہ حضرت عبداللہ بن عمرو کے تکیے کے نیچے رکھا دیکھا تھا۔ (اسد الغابہ، ج ۳، ص ۲۳۴)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی کل مرویات ۵۳۷۴ ہیں اور وہ تسلیم کرتے ہیں کہ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی مرویات مجھ سے زیادہ ہیں اس لیے کہ وہ حضور ﷺ سے حدیثیں لکھ لیا کرتے تھے اور میں لکھتا نہ تھا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو نے ۶۳ھ میں الفسطاط کے محاصرہ کے زمانہ میں وفات پائی۔

(۱۸) حضرت براء بن عازب الانصاری رضی اللہ عنہ

عبداللہ بن حنش کہتے ہیں کہ میں نے حضرت براء رضی اللہ عنہ کے پاس لوگوں کو کھلکیں ہاتھ میں لیے (حدیثیں) لکھتے پایا۔ (جامع بیان العلم ج۱، ص۷۲)

آپ رضی اللہ عنہ کوفہ میں رہتے تھے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ کوفہ ان دنوں کس طرح علمِ حدیث کا گہوارہ بنا ہوا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ جنگ جمل، صفین اور نہروان تینوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہے۔

خطیب تبریزی لکھتے ہیں:

"روی عنہ خلق کثیر" (الاکمال ص۵۹۱)

"آپ رضی اللہ عنہ سے بہت سے لوگوں نے احادیث روایت کیں"

(۱۹) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ

یہ ساتویں کثیر الروایہ صحابی ہیں۔ ان کی مرویات کی تعداد ۱۱۷۰ ہے۔ جب لوگ ان سے حدیثیں پوچھ کر لکھنا چاہتے تو یہ ان سے کہتے "حدیثیں مت لکھواور ان کو قرآن نہ بناؤ۔ البتہ ہم سے سن کر یاد کرلو جس طرح ہم نے یاد کی ہیں"۔ یہ نام کی بجائے اپنی کنیت سے زیادہ مشہور تھے۔ ان کا نام ونسب سعد بن سنان اور کنیت ابو سعید ہے۔ ان کے والد مالک بن سنان غزوہ احد میں شہید ہوئے تھے۔ ان کو خدری اس لیے کہتے ہیں کہ ان کا نسب خدرہ بن عوف بن حارث بن خزرج سے جاملتا ہے۔ خزرج کو ابجر بھی کہا جاتا ہے۔

ابو سعید کے والد نے غزوہ احد کے دن ان کو آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ ان کی عمر اس وقت تیرہ سال تھی۔ ابو سعید کی قوت وطاقت کی تعریف کرتے ہوئے ان کے والد نے کہا حضور! ابو سعید جسیم اور فربہ اندام ہے۔ مگر آپ نے کم عمر سمجھ کر واپس کر دیا۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ ان صحابہ میں شامل تھے جنہوں نے آنحضور ﷺ سے عہد کیا تھا۔ کہ دینی امور میں وہ کسی کی ملامت کی پرواہ نہیں کریں گے۔ اس بیعت میں حضرت ابوذر غفاری، حضرت سہل بن عبادہ بن صامت اور حضرت محمد بن مسلمہ شریک تھے۔ حضرت ابو سعید خدری نے غزوہ بنی المصطلق اور غزوہ خندق میں شرکت کی تھی۔ اس کے بعد وہ بارہ لڑائیوں میں شریک ہوئے۔

ابو سعید خدری نے متعدد صحابہ سے روایت کی ہے۔ صحابہ میں ان کے مشہور ترین اساتذہ میں ان کے والد مالک بن سنان ان کے بھائی قتادہ نیز حضرت ابو بکر وعمر وعثمان وعلی وابو موسیٰ اشعری وزید بن ثابت وعبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہم جیسے اکابر شامل ہیں۔

ابو سعید خدری سے روایت کرنے والوں میں مندرجہ ذیل حضرات کے اسماء قابل ذکر ہیں۔ ابو سعید کے بیٹے عبد الرحمن۔ ان کی بیوی زینب بنت کعب وعبد اللہ بن عمر وعبد اللہ بن عباس وابو الطفیل ونافع وعکرمہ۔

بیعت الرضوان کے شاملین میں سے تھے۔ اہل صفہ میں سے تھے آپ نے
حدیث کثرت سے روایت کی۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں:

"روی حدیثا کثیرا و افتی مدۃ وابوہ من شہداء احد
عاش ابو سعید ستا و ثمانین سنۃ وحدث عنہ ابن عمر
و جابر بن عبداللہ وغیرہما من الصحابۃ" (تذکرہ ص ۴۸)

"آپ نے بہت احادیث روایت کی ہیں اور مدتوں فتویٰ دیتے
رہے۔ آپ کے والد شہداء احد میں سے تھے ابو سعید ۸۶ سال زندہ
رہے۔ آپ سے حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت جابر بن عبداللہ اور
دوسرے کئی صحابہ نے روایت کی ہے"۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں آپ رضی اللہ عنہ کی متفق علیہ تینتالیس حدیثیں ہیں اور
علی الانفراد دونوں کتابوں میں سولہ اور باون حدیثیں ملتی ہیں۔ خطیب تبریزی لکھتے ہیں:

"کان من الحفاظ المکثرین و العلماء الفضلاء العقلاء
روی عنہ جماعۃ من الصحابۃ والتابعین" (الاکمال ص ۶۰۲)

"آپ کثرت سے احادیث بیان کرنے والے حفاظ میں سے تھے
اور علماء و عقلاء میں سے تھے۔ آپ سے کئی صحابہ و تابعین نے
روایت کی ہے"۔

ایک روز ابو سعید خدری اپنے بیٹے عبدالرحمٰن کا ہاتھ پکڑ کر بقیع کی طرف لے گئے
اور وصیت کرتے ہوئے کہا:

"میرے بیٹے جب میں مر جاؤں تو مجھے یہاں دفن کریں۔ میری
قبر پر خیمہ نہ لگانا۔ جنازہ کے ہمراہ قبرستان میں آگ نہ لے
جائیں۔ نوحہ گر عورتوں کو مجھ پر رونے نہ دیں کسی کو میری موت کی
اطلاع نہ دیں"۔

حضرت ابو سعید خدری جیسے عابد و زاہد، عالم باعمل نے ۷۴ھ میں وفات پائی۔

(۲۰) حضرت انس بن مالک الانصاری رضی اللہ عنہ

آپ رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کے (۹) سال کے قریب خادم رہے اور سفر و حضر میں حضور ﷺ کی احادیث سنیں۔ حضور ﷺ کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ، اور کئی دوسرے اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم سے فیض علم پایا۔ (تذکرہ ج ۲، ص ۴۲)

آپ رضی اللہ عنہ بعض اوقات حضور ﷺ سے حدیثیں لکھ بھی لیتے تھے۔ بلکہ حضور ﷺ کو سنا بھی دیتے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے شاگرد سعید بن ہلال کہتے ہیں:

"کنا اذا اکثرنا علی انس بن مالک رضی اللہ عنہ فاخرج الینا مجال عندہ فقال ھذہ سمعتھا من النبی صلی اللہ علیہ وسلم فکتبتھا و عرضتھا" (مستدرک ج ا)

"ہم جب حضرت انس رضی اللہ عنہ سے زیادہ روایات پوچھتے تو آپ رضی اللہ عنہ اپنے مجلات (بیاضیں) نکال لیتے اور فرماتے یہ وہ روایات ہیں جو میں نے حضور ﷺ سے سنیں میں نے انہیں لکھا اور انہیں آپ ﷺ کو پڑھ کر بھی سنا تا رہا۔

حافظ ذہبی لکھتے ہیں:

ولہ صحبۃ طویلۃ وحدیث کثیر و ملازمۃ للنبی ﷺ

آپ رضی اللہ عنہ نے (حضور ﷺ کی) لمبی صحبت پائی بہت حدیث سنی اور آپ ﷺ کی مجلس کو لازم پکڑا۔

آپ رضی اللہ عنہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سب سے آخر میں فوت ہوئے۔

آپ رضی اللہ عنہ کے شاگردوں میں حضرت حسن بصری، امام زہری، قتادہ، ثابت بنانی، حمید الطویل رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم زیادہ معروف ہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی آپ رضی اللہ عنہ کو دیکھا ہے۔ حضرت امام صاحبؒ نے آپ رضی اللہ عنہ سے روایات لی

ہیں یا نہ اس میں اختلاف ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں انہیں بصرہ بھیج دیا۔ (الاکمال، ص ۴۰۲)

تاکہ وہاں لوگوں کو فقہ کی تعلیم دیں۔ اس صورت حال سے پتہ چلتا ہے کہ عراق کی درسگاہیں کس طرح علم حدیث وفقہ سے مالا مال ہو رہی تھیں۔

امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ۱۲۸ حدیثیں بالاتفاق روایت کی ہیں اور ہر دو اماموں نے آپ رضی اللہ عنہ کی ۱۸۰ دوسری دیگر روایات علی الانفراد روایت کی ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے شاگردوں میں سے ابان بن یزید نے آپ رضی اللہ عنہ کے سامنے ہی آپ رضی اللہ عنہ کی مرویات لکھنی شروع کر دی تھیں۔

(۲۱) حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ

آپ کا اسم گرامی زبیر رضی اللہ عنہ لقب حواری رسول ﷺ والد کا نام عوام اور والدہ ماجدہ حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب حضرت صفیہ رضی اللہ عنہ رسول کریم ﷺ کی پھوپھی تھی اور آپ رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھیں۔

پیدائش

آپ رضی اللہ عنہ کی ولادت باسعادت مکہ معظمہ میں بعثت نبوی ﷺ سے پندرہ سولہ سال قبل ہوئی۔ نام زبیر (رضی اللہ عنہ) رکھا گیا۔ سلسلہ نسب قصی بن کلاب پر رسول کریم ﷺ سے جاملتا ہے۔

حافظ ابن حجر کا بیان ہے کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو رسول کریم ﷺ سے کئی نسبتیں حاصل تھیں۔

۱۔ آپ رضی اللہ عنہ رسول کریم ﷺ کی پھوپھی حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب کے صاحبزادے تھے اس طرح سے سرور کونین علیہ السلام آپ ﷺ کے ماموں زاد بھائی تھے۔

۲۔ اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی بڑی ہمشیرہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا عقد آپ رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا۔ اس نسبت سے آپ رضی اللہ عنہ رسول کریم ﷺ کے ہم زلف بھی تھے۔

۳۔ اُم المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی پھوپھی تھیں اس طرح سے رحمت دوعالم ﷺ آپ رضی اللہ عنہ کے پھوپھا تھے۔

شہادت

حضرت زبیر وادی السباع میں بحالت سجدہ بوقت نماز ظہر شہید کر دیئے گئے۔ اور

اسی جگہ مدفون ہوئے اس وقت آپ کی عمر چونسٹھ سال تھی ۳۶ھ مطابق ۶۵۸ء۔

حلیہ مبارک

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ طویل قد۔ رنگ گندمی گون۔ بدن چھریرا۔ سر کے بال گھنے۔ داڑھی ہلکی۔ قد مبارک اتنا طویل تھا، کہ گھوڑے پر سوار ہوتے تو پاؤں زمین سے چھو جاتے''۔

فضائل ومحاسن

حضرت زبیر بن العوامؓ سے کل اڑتیس (۳۸) حدیثیں مروی ہیں۔

حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کے محاسن وفضائل کثرت سے ہیں۔ حواری رسول ﷺ۔ یکے از عشرہ مبشرہ۔ اشجع العرب۔ مجسمہ خشیت الٰہی۔ الصلوٰۃ معراج المومن۔ تصید اللہ کا نیک ترانہ۔ شب بیدار۔ السابقون الاولون۔ بدری صحابی۔ زاہد عابد اور جود وسخا میں بے مثل سمندر تھے۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی جلالت قدر کا اندازہ اس قصیدہ سے بھی کیا جاسکتا ہے جو ایک موقع پر شاعر رسول ہاشمی ﷺ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے ان کی شان میں موزوں کیا اور اس میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے فضائل نہایت ہی بلیغ پیرائے میں بیان کیے اس قصیدے کے چند اشعار ملاحظہ ہوں''۔

أَقَامَ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ وَهَدْيِهِ حَوَارِيُّهُ وَالْقَوْلُ بِالْفِعْلِ يُعْدَلُ

وہ نبی ﷺ کے عہد اور سنت پر قائم رہے۔ وہ رسول کریم ﷺ کے حواری ہیں اور عمل ہی سے قول کو سچا سمجھا جاتا ہے۔

هُوَ الْفَارِسُ الْمَشْهُورُ وَالْبَطَلُ الَّذِي يَصُولُ إِذَا مَا كَانَ يَوْمٌ مُحَجَّلُ

وہ ایسے مشہور شہسوار اور بہادر ہیں کہ اس دن حملہ کرتے تھے جب لوگ جنگ کے خوف سے چھپتے پھرتے تھے۔

لَهُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ قُرْبَى قَرِيبَةٌ وَمِنْ نُصْرَةِ الْإِسْلَامِ مَجْدٌ مُؤَثَّلُ

ان کو رسول اللہ ﷺ سے قرابت قریبہ حاصل تھی اور یہ وہی ہیں جن سے اسلام کو نصرت حاصل ہوئی۔

فَكَمْ كُرْبَةٍ ذَبَّ الزُّبَيْرُ بِسَيْفِهِ عَنِ الْمُصْطَفٰى وَاللّٰهُ يُعْطِي وَيُجْزِلُ

چنانچہ بہت سے مصائب زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنی تلوار سے محمد مصطفیٰ ﷺ سے دور کیے اور بہت عطا اور بخشش کرنے والا ہے۔

(۲۲) اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کی زوجہ محترمہ اور آپ کے عزیز ترین دوست حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی دختر اطہر تھیں۔ بہت چھوٹی عمر میں اسلام لائی تھیں۔ آپ سے پہلے صرف اٹھارہ آدمی اسلام لائے تھے۔ آپ نے ہجرت کے دوسرے سال ان سے نکاح کیا۔ ان کے سوا دوسری کوئی دوشیزہ خاتون آپ کے نکاح میں نہ تھی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا تمام ازواج میں آپ کی محبوب ترین بیوی تھیں۔ نبی ﷺ ان کی ہر خواہش کو پورا کرتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جو اوصاف حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا میں جمع ہو گئے تھے۔ وہ ازواج مطہرات میں سے کسی دوسری خاتون میں یکجا نہ تھے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا شعر و ادب، طب وانساب اور ایام العرب کی زبردست عالمہ تھیں امام زہری فرماتے ہیں۔

"اگر حضرت عائشہ کے علم کا تقابل ازواج مطہرات اور دیگر خواتین کے علم کے ساتھ کیا جائے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا علم ان پر فوقیت لے جائے گا"۔

عروہ کا قول ہے:

"میں نے کسی کو طب و شعر اور فقہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر نہیں دیکھا"۔

حضرت عائشہ بھی کثیر الروایہ صحابہ میں شمار کی جاتی ہیں اور روایت حدیث میں ان کا پایہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے لگ بھگ ہے۔ ان کی مرویات کی تعداد ۲۲۱۰ ہے۔ آپ کی عظیم خصوصیت یہ ہے کہ آپ بعض مسائل کے استنباط میں بالکل منفرد تھیں اس ضمن میں ان کا خصوصی اجتہاد دیگر صحابہ سے بالکل الگ تھا۔

علامہ زرکشی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اجتہادات سے متعلق ایک کتاب "الاجابة لایراد ما استدرکته عائشة علی الصحابة" نامی

تصنیف کی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے والد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، حضرت اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے حدیثیں روایت کی ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرنے والوں میں مندرجہ ذیل صحابہ شامل ہیں۔

(۱) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، (۲) ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ، (۳) زید بن خالد الجہنی رضی اللہ عنہ اور (۴) صفیہ بنت شیبہ رضی اللہ عنہم۔

مندرجہ ذیل کبار تابعین نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حدیثیں روایت کیں: سعید بن مسیب، علقمہ بن قیس، مسروق بن اجدع، عائشہ بن طلحہ، عمرہ بنت عبدالرحمٰن، حفصہ بنت سیرین۔

یہ تینوں خواتین علم دین اور فقہ میں خصوصی شہرت کی حامل تھیں۔

علم حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مقام

علم الحدیث کا موضوع درحقیقت ذات نبوی ﷺ ہے، اس لئے فن کی واقفیت کے ذریعے سے زیادہ وہ آپ کو حاصل تھے جس کو سب سے زیادہ آپ کا قرب حاصل تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو قدرتاً اس قسم کے مواقع زیادہ مل سکتے تھے، ہجرت سے تین برس پہلے ان کا نکاح ہوا تھا، اس اثنا میں روزانہ آنحضرت ﷺ ان کے گھر تشریف لاتے تھے۔ (صحیح بخاری، باب الہجرۃ)

ہجرت کے بعد چھ مہینے تک البتہ وہ دیدار نبوت سے محروم رہیں، شوال میں رخصت ہو کر وہ کاشانۂ نبوت میں آ گئیں، اس وقت سے تادم مرگ اس ذات اقدس (ﷺ) سے الگ نہ ہوئیں، اسلام کی ابتدائی زندگی گو ان کے بچپن کا عہد تھا لیکن ان کی فطری ذہانت اور قوت حفظ اس کی پوری تلافی کرتی ہے، ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن حضرت سودہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کے پاس رہنے میں ان سے چند مہینے زیادہ ہیں، لیکن ایک تو فہم و ادراک اور سمجھ اور استعداد کا اختلاف، دوسرے یہ کہ حضرت سودہ

رضی اللہ عنہا ضعیف العمر تھیں۔ (صحیح مسلم، باب جواز ہبتہا نوبتہا لضرتہا)

ان کے قویٰ میں انحطاط آ چکا تھا اور آپ کی وفات سے چند سال پہلے وہ خدمت گزاری سے بھی معذور ہو چکی تھیں۔ (صحیح مسلم، باب جواز ہبتہا نوبتہا لضرتہا)

اس کے برخلاف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نوجوان تھیں اور نوجوانی کے سبب سے بھی ان کی عقلی اور دماغی قوتوں میں روز افزوں ترقی تھی اور وہ آنحضرت ﷺ کی اخیر عمر تک ہمیشہ خدمت گزار اور شرف صحبت سے ممتاز رہیں، اس لئے ان کو آنحضرت ﷺ کے احوال اور احکام سے زیادہ واقفیت تھی۔

حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ دوسری ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بہت بعد حبالۂ نکاح میں آئیں، اس پر بھی ان کو آٹھ روز میں ایک دن خدمت گزاری کا موقع ملتا تھا چونکہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے بھی اپنی باری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دے دی تھی، اس لئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو آٹھ روز میں دو دن یہ شرف حاصل ہوتا تھا۔ (صحیح مسلم، باب جواز ہبتہا نوبتہا لضرتہا)

ان کا حجرہ مسجد نبوی سے جو معلم نبوت کی درس گاہ عام تھا بالکل متصل تھا، اس بنا پر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں سے کوئی بھی احادیث کی واقفیت اور اطلاع میں ان کا حریف نہیں۔

ان کی روایت کی ہوئی حدیثوں کی تعداد اس قدر زیادہ ہے کہ نہ صرف ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن، نہ صرف عام عورتوں بلکہ مردوں میں بھی چار پانچ کے سوا کوئی ان کی برابری کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ صرف عام عورتوں بلکہ مردوں میں بھی چار پانچ کے سوا کوئی ان کی برابری کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ اکابر صحابہ مثلاً حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کا پایہ شرف صحبت، اختصاص کلام اور قوت فہم و ذکاء میں اگرچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بہت بلند تھا لیکن ایک تو قدرتاً بیوی کو برسوں میں جو کچھ معلوم ہو سکتا ہے، احباب خاص کو برسوں میں اس کی واقفیت ہو سکتی ہے، دوسرے ان بزرگوں کو سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے بعد ہی

خلافت کے عظیم الشان فرائض اور مہمات میں مصروف رہنا پڑا، اس لئے ان کو احادیث کی روایت کی فرصت بہت کم ہاتھ آسکی تھی، پس پر بھی جو کچھ حدیثیں ان سے آج تک محفوظ ہیں، وہ خلافت سے تعلق سے ان کے فیصلے اور احکام ہیں جن پر ہماری فقہ کی اصل بنیاد ہے، اس بنا پر اصل روایت حدیث کا فرض دوسرے فروغ البیان لوگوں نے انجام دیا۔

ان بزرگوں کی روایات کی کثرت اور قلت کا ایک اور راز بھی ہے، اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کا زمانہ خود صحابہ کا عہد تھا جن کو دوسروں سے سوال و پرسش کی حاجت ہی نہ تھی، تابعین جو ایک گوہر نایاب کے جویاں ہو سکتے تھے وہ عموماً پچیس تیس برس کے بعد ہوئے، لوگ اپنے پیغمبر کے حالات جاننے کے لئے بے قرار تھے، بڑے بڑے صحابہ رضی اللہ عنہم اپنی زندگی کی منزلیں طے کر چکے تھے اور دنیا ان کے وجود سے محروم ہو چکی تھی، کم عمر اصحاب اب عالم شباب میں تھے اور جب تک ہجرت کی پہلی صدی منقرض نہ ہوئی، ان کا آخری سلسلہ منقطع نہ ہوا، اس بنا پر کثیر الروایت صحابہ جن کی روایت سے کتب حدیث کے اوراق مالا مال ہیں وہ یہی کمسن بزرگوار ہیں۔ (ابن سعد جزء ثانی قسم ثانی)

مکثرین روایت

کثیر الروایہ صحابہ رضی اللہ عنہم جن کی روایتوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچی ہے، سات اشخاص ہیں:

نام	سن وفات	تعداد مرویات
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ	۵۹ھ	۵۳۷۴
حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما	۶۸ھ	۲۶۶۰
حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما	۷۳ھ	۲۶۳۰
حضرت جابر رضی اللہ عنہ	۷۸ھ	۱۵۴۰
حضرت انس رضی اللہ عنہ	۹۳ھ	۲۲۸۶
حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ	۷۴ھ	۱۱۷۰
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا	۵۸ھ	۲۲۱۰

مکثرین روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا درجہ

کثرت روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا چھٹا نمبر ہے جن لوگوں کا نام ان سے اوپر ہے ان میں اکثر ام المومنین رضی اللہ عنہا کے بعد بھی زندہ رہے، اور ان کی روایت کا سلسلہ چند سال اور جاری رہا ہے، اس کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی نسبت یہ بھی ملحوظ رہے کہ وہ ایک پردہ نشین خاتون تھیں اور اپنے مرد معاصرین کی طرح نہ وہ ہر مجلس میں حاضر رہ سکتی تھیں اور نہ مسلمان طالبین علم ان تک ہر وقت پہنچ سکتے تھے ورنہ ان بزرگوں کی طرح ممالک اسلامیہ کے بڑے بڑے شہروں میں ان کا گزر ہوتا تو ان کی حیثیت ان سبع سیاروں میں سب سے زیادہ روشن نظر آتی۔

فہرست بالا سے معلوم ہو چکا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی کل روایتوں کی تعداد ۲۲۱۰ ہے جن میں سے صحیحین میں ۲۸۶ حدیثیں ان کی روایت سے داخل ہیں، ان میں سے ۱۷۴ حدیثیں دونوں میں مشترک ہیں، ۵۴ حدیثیں ایسی ہیں جو صرف بخاری میں ہیں اور ۵۸ صرف مسلم میں ہیں، اس حساب سے بخاری میں ان کی ۲۲۸ اور مسلم میں ۲۳۲ حدیثیں اور بقیہ حدیثیں حدیث کی دوسری کتابوں میں مذکور ہیں۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی مسند کی چھٹی جلد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیثیں جو مصر کے مطبوعہ باریک ٹائپ کے ۲۵۳ صفحوں پر پھیلی ہوئی ہیں اگر ان کو الگ جمع کیا جائے تو حدیث کی ایک مستقل اور ضخیم کتاب تیار ہو جائے۔

وفات

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بقول صحیح ۵۷ھ میں وفات پائی۔ آپ کی نماز جنازہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔

(۲۳) حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا

حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کا نام برکہ ہے، رسول اللہ ﷺ کی باندی ہیں، انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی پرورش میں بڑی محبت وشفقت سے کام لیا ہے آپ ان کو ماں کہہ کر پکارتے تھے اور فرماتے تھے کہ ھذہ بقیۃ اھل بیتی آپ نے ان کو آزاد کردیا تو حضرت سید بن زید رضی اللہ عنہ سے نکاح کیا جن سے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے، غزوۂ احد اور غزوۂ خیبر میں رسول اللہ ﷺ کی معیت میں شریک ہوکر زخمیوں کی مرہم پٹی اور مجاہدین کو پانی پلانے کی خدمت انجام دی ہے۔

حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا وصالِ نبوی پر بہت زیادہ روتی تھیں، لوگوں نے روکا تو کہا کہ مجھے معلوم تھا کہ رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہوگا، میں اس لئے رو رہی ہوں کہ اب آسمان سے وحی الٰہی کا سلسلہ بند ہوگیا اور ہم نزولِ وحی سے محروم ہوگئے۔

(طبقات ابن سعد ص ۲۲۳ ج ۸)

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے دورِ خلافت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کرتے تھے کہ آؤ ام ایمن کی زیارت کو چلیں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ ان کے یہاں تشریف لے جایا کرتے تھے۔

انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کی ہے اور ان سے حضرت انس بن مالک، حنش بن عبداللہ صنعانی، ابو یزید مدنی وغیرہ نے روایت کی ہے، خلافتِ عثمانی کی ابتداء میں انتقال کیا۔ (تہذیب التہذیب ص ۴۵۹ ج ۱۲)

(۲۴) حضرت حولاء بنت تویت رضی اللہ عنہا

حضرت حولاء بنت تویت بن حبیب بن اسد بن عبد العزیٰ بن قصی قرشیہ اسدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اسلام لانے کے بعد ہجرت کی اور رسول اللہ ﷺ سے بیعت بھی کی (طبقات ابن سعد ص ۲۴۲ ج ۸) عہد رسالت میں زہد و عبادت میں اپنی مثال آپ تھیں، ابن حزم نے تصریح کی ہے۔

الحولاء بنت تویت المنقطعة فی الزهد ایام رسول الله صلی الله علیه وسلم (جمہرۃ انساب العرب ابن حزم ص ۱۱۸)

حولاء بنت تویت رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں زہد و تقویٰ میں بے مثال تھیں۔

وہ رات بھر جاگتیں اور عبادت کرتی تھیں۔ جب رسول اللہ ﷺ کو اس کی خبر لگی تو آپ نے فرمایا کہ جب تک تم لوگ عبادت اور دعا کرنے سے نہیں اکتاتے ہو، اللہ تعالیٰ اجر و ثواب دینے اور دعا قبول کرنے سے نہیں گھبراتا ہے، تم لوگ اسی قدر عمل کے مکلف ہو جس کی طاقت رکھتے ہو، وہ ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس سے گذریں، اتفاق سے رسول اللہ ﷺ بھی موجود تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ یہ حولاء تویت ہیں جن کے متعلق مشہور ہے کہ رات بھر جاگتی اور عبادت کرتی ہیں۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ تم لوگ جس قدر عمل کر سکتے ہو اسی قدر کیا کرو۔

(اسد الغابہ ص ۴۴۲ ج ۵)

ان کی حدیثیں بخاری و مسلم اور موطا میں مختلف الفاظ سے منقول ہیں۔

(۲۵) حضرت ام الدرداء الکبریٰ رضی اللہ عنہا

حضرت ام درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نام خیرہ بنت ابو حدرد اسلمی ہے، ان کی نسبت تمیمیہ اوصابیہ ہے حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجہ ہیں، نہایت عالمہ، فقیہہ اور عاقلہ، فاضلہ اور عابدہ و زاہدہ خاتون تھیں۔ امام ابن عبدالبر رحمۃ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے:

وكانت من فضلاء النساء وعقلائهن وذوات الرای منهن مع العبادة والنسك (استیعاب ص۷۱۲ ج۲)

وہ نسک وعبادت کے ساتھ طبقہ نسواں میں عاقلہ، فاضلہ اور صاحب الرائے تھیں۔

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ام درداء کو طبقہ صحابہ کے حفاظ حدیث میں شمار کیا ہے اور تذکرۃ الحفاظ میں ان کے بارے میں لکھا ہے:

كانت فقيهة، عالمة، عابدة، مليحة جميلة، واسعة العلم وافرة العقل.

وہ فقیہہ، عالمہ، عابدہ، حسینہ وجمیلہ تھیں اور وسیع علم اور وافر عقل رکھتی تھیں۔

انہوں نے اپنے شوہر حضرت ابودرداء، حضرت سلمان فارسی اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بہت زیادہ احادیث کی روایت کی ہے، اور ان سے مکحول شامی، سالم بن ابوجعد، زید بن اسلم، اسمٰعیل بن عبیداللہ، ابوحازم مدنی، عطاء کیخارانی، اور کئی دیگر حضرات نے روایت کی ہے۔ (تذکرۃ الحفاظ ص۵۰ ج۱)

ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ اور اپنے شوہر ابودرداء سے روایت کی ہے اور ان سے تابعین کی ایک جماعت نے روایت کی ہے جس میں صفوان بن عبداللہ بن صفوان، میمون بن مہران، زید بن اسلم اور ام درداء الصغریٰ شامل ہیں۔ (استیعاب ص۷۹۲ ج۲)

(۲۶) حضرت لیلیٰ بنت قانف رضی اللہ عنہا

حضرت لیلیٰ بنت قانف ثقفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے انتقال پر ان کے غسل وکفن میں شریک تھیں، ان کا بیان ہے کہ ہم حضرت ام کلثوم کو غسل وکفن دے رہے تھے اور رسول اللہ ﷺ دروازے پر کھڑے ہو کر ہم کو کفن کا ایک ایک کپڑا دے رہے تھے۔ (اسد الغابہ ص۵۴۲ ج۵)

ان سے داؤد بن عاصم بن عروہ بن مسعود ثقفی نے روایت کی ہے۔

(تہذیب التہذیب ص۴۵۷ ج۱۲)

بعض کتابوں میں قائف ہمزہ سے ہے مگر حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اصابہ میں قانف بقاف ثم نون ثم فاء سے تصریح کی ہے۔ (اصابہ ص۱۸۶ ج۸)

(۴۷) حضرت عمرہ بنت عبدالرحمٰن انصاریہ رحمۃ اللہ علیہا

حضرت عمرہ بنت عبدالرحمان بن اسعد بن زرارہ انصاریہ رحمۃ اللہ علیہا مدینہ منورہ کی عالمات، تابعیات میں سے ہیں، ان کی تربیت ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمائی ہے، زبردست فقیہہ، محدثہ اور عالمہ، فاضلہ خاتون تھیں خاص طور سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی احادیث وفقہی آراء کا علم سب سے زیادہ رکھتی تھیں۔ ابن حبان نے لکھا ہے:

کانت من اعلم الناس بحدیث عائشۃ۔

ان کے پاس حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی احادیث کا علم سب سے زیادہ تھا۔

محمد بن عبدالرحمٰن کا بیان ہے کہ مجھ سے حضرت عمر بن عبدالعزیز نے کہا:

مابقی احد اعلم بحدیث عائشۃ من عمرۃ

(تہذیب التہذیب ص۴۳۸ ج ۱۲)

اب کوئی شخص ایسا نہیں رہ گیا جو احادیث عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو عمرہ سے زیادہ جانتا ہو۔

امام زہری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا بیان ہے کہ مجھ سے قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ تم طلب علم کے حریص ہوتے ہو! کیا میں تم کو اس کی جگہ بتادوں؟ میں نے عرض کیا ضرور بتایئے، تو کہا:

علیک بعمرۃ بنت عبدالرحمٰن فانہا کانت فی حجر عائشۃ فاتیتھا فوجدتھا بحراً لاینزف (تذکرۃ الحفاظ ص۱۰۲ ج۱)

تم عمرہ بنت عبدالرحمٰن کے پاس جاؤ وہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی آغوش کی پروردہ ہیں چنانچہ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان کو علم کا ایسا سمندر پایا جو کم نہیں ہوتا۔

حضرت عمرہ کے پاس احادیث رسول کا ایک نادر مجموعہ تھا حضرت عمر بن عبدالعزیز نے احادیث کی تدوین کے سلسلہ میں اس مجموعہ کو خاص طور سے نقل کرایا

ابن سعد کا بیان ہے:

وکتب عمر بن عبدالعزیز الی ابی بکر بن محمد بن حزم ان انظر ما کان من حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم او سنۃ ماضیۃ او حدیث عمرۃ فاکتبہ فانی خشیت دروس العلم وذھاب اھلہ (طبقات ابن سعد ص ۳۸۷ ج ۸)

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ابوبکر بن محمد بن حزم کے پاس لکھا کہ تم تلاش کرو رسول اللہ ﷺ کی جو حدیث یا سنت جاریہ یا عمرہ بن عبدالرحمٰن کی حدیث دیکھو اسے لکھ لو، کیوں کہ مجھے علم دین کے مٹنے اور اہل علم کے ختم ہونے کا ڈر ہے۔

عمرہ بنت عبدالرحمٰن نے حضرت عائشہ، ام ہشام بنت حارثہ، حبیبہ بنت سہل، ام حبیبہ، حمنہ بنت جحش سے روایت کی ہے اور ان سے صاحب زادے ابوالرجال، بھائی محمد بن عبدالرحمٰن انصاری، بھتیجے یحییٰ بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن، پوتے حارثہ بن ابوالرجل، ابوبکر بن محمد بن حزم، عبداللہ بن ابوبکر بن محمد بن حزم، یحییٰ بن قیس انصاری، سعد بن سعید بن قیس انصاری، عبدربہ بن سعید بن قیس انصاری، عروہ بن زبیر، سلیمان بن یسار، امام زہری، عمرو بن دینار وغیرہ نے روایت کی۔ ۹۸ھ یا ۱۰۶ھ یا ۱۰۲ھ میں انتقال ہوا۔

(تہذیب التہذیب ص ۴۳۸ ج ۱۲)

(۲۸) حضرت ام سلیم ملحان انصاریہ رضی اللہ عنہا

حضرت ام سلیم بنت ملحان رضی اللہ تعالیٰ عنہا (حضرت ام حرام بنت ملحان انصاریہ رضی اللہ عنہا کی بہن اور) حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ ہیں، ابتدائے اسلام میں اپنی قوم کے ساتھ مسلمان ہوگئیں، مگر ان کا شوہر مالک بن نضر ان کی دعوت اسلام پر خفا ہوکر شام چلا گیا، اس کے بعد ابوطلحہ انصاری نے ان کو شادی کا پیغام دیا تو ان سے کہا کہ:

یاابا طلحۃ الست تعلیم ان الٰھک اللذی تعبد ینبت من الارض ینجرھا حبشی بنی فلان قال بلی، قالت افلا تستحی تعبد خشبۃ، ان انت اسلمت فانی لاارید منک الصداق غیرہ.

ابوطلحہ! کیا تم کو معلوم نہیں ہے کہ جس معبود کی تم عبادت کرتے ہو وہ زمین سے اگتا ہے اور فلاں قبیلہ کے حبشی غلام نے اسے تراشا ہے؟ ابوطلحہ نے جب اسے مان لیا تو ام سلیم نے کہا کہ تم کو شرم نہیں آتی کہ تم لکڑی کی پوجا کرتے ہو؟ اگر تم اسلام قبول کرلو تو یہی میرا مہر ہوگا۔

یہ سن کر ابوطلحہ نے کچھ غور کرنے کے بعد اسلام قبول کرلیا اور حضرت ام حرام رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے صاحب زادے انس بن مالک سے کہا، تم ابوطلحہ سے میرے نکاح کا انتظام کرو، وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوات میں شریک ہوئی تھیں۔

وکانت من عقلاء النساء (اسد الغابہ ص ۵۹۱ ج ۵)

اور عقل مند عورتوں میں سے تھیں۔

حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضرت عبداللہ بن ابوطلحہ انصاری پیدا ہوئے، جن کی اولاد میں بڑی برکت ہوئی ان کے دس لڑکے تھے، سب کے سب عالم دین اور محدث وفقیہ تھے اور ان سب سے علم پھیلا۔ حضرت ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کی اور ان سے صاحب زادے انس بن مالک، عبداللہ بن عباس، عمرو بن عاصم انصاری، ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف نے روایت کی۔ (تہذیب التہذیب ص ۴۷۱ ج ۱۲)

(۲۹) حضرت ام ہانی بنت ابو طالب رضی اللہ عنہا

حضرت ام ہانی بنت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حقیقی بہن ہیں، فتح مکہ کے وقت اسلام لائیں، اور ان کا شوہر ہبیرہ ابن ابو وہب نجران کی طرف بھاگ گیا، رسول اللہ ﷺ نے ان کو شادی کا پیغام بھیجا تو ان الفاظ میں معذرت کر دی:

یارسول اللہ لانت احب الیّ من سمعی وبصری وحق الزوج عظیم اخشی ان اضیع حق الزوج (اصابہ ص ۲۸۶ ج ۸)

یارسول اللہ! آپ مجھے میری ذات سے بھی زیادہ محبوب ہیں مگر شوہر کا حق بڑا ہے میں ڈرتی ہوں کہ کہیں شوہر کا حق ادا نہ کر سکوں۔

حضرت ام ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد تک زندہ رہیں، صحاح ستہ وغیرہ میں رسول اللہ ﷺ سے ان کی روایات موجود ہیں، ان سے ان کے صاحبزادے جعدہ بن ہبیرہ، پوتے یحیٰی بن جعدہ بن ہبیرہ، دوسرے پوتے ہارون، دونوں غلام ابو مرہ اور ابو صالح، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن حارث بن نوفل ہاشمی، عبداللہ بن عبداللہ بن حارث بن نوفل ہاشمی، عبدالرحمٰن بن ابو لیلیٰ، مجاہد، عروہ، ان کے علاوہ شعبی، عطاء، کریب، محمد بن عقبہ بن ابو ملک نے روایت کی ہے۔

(تہذیب التہذیب ص ۴۸۱ ج ۱۲)

(۳۰) حضرت ام مرثد رضی اللہ عنہا

جب مسلمان نہیں ہوئی تھیں تو اسلام کی سخت دشمن تھیں جب مسلمان ہوگئیں تو اسلام کی خاطر ستم سہے، دنیا سے بے رغبت ہو کر اسلام کو اپنانے والی خاتون۔

یہ اسلام کے ابتدائی دور میں اس مذہب حق کی سخت مخالف تھیں، اسلام کی مخالفت میں ان لوگوں کا ساتھ دیتی تھیں جو اہل ایمان کو اذیتیں دیتے تھے۔ ان کا آبائی شہر مکہ تھا۔ فصاحت و بلاغت میں ماہر تھیں ان کے والد کا نام زید بن ثابت اور والدہ کا نام خارجہ ہے۔ عمرو بن مرہ سے ان کا نکاح ہوا۔

حضور اکرم ﷺ کے اعلان نبوت کے بعد ان کے رشتہ دار، شوہر حتیٰ کہ بچے بھی اسلام کی مخالفت میں پیش پیش تھے۔

جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اسلام قبول کرنے کے جرم میں مشرکوں کی جانب سے ظلم و ستم کا نشانہ بنایا گیا لیکن حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو واستقامت سے اسلام پر قائم رہے تو حضرت ام مرثد رضی اللہ عنہا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی مستقل مزاجی سے بہت متاثر ہوئیں اور مختلف خواتین سے آپ رضی اللہ عنہا نے اس بات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ بلال رضی اللہ عنہ کے اسلام پر ثابت قدم رہنے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مذہب واقعی سچا ہے کیونکہ کسی غلط بات پر کوئی اتنی دیر تک نہیں رہ سکتا جس قدر حضرت بلال رضی اللہ عنہ قائم ہیں۔

چنانچہ اب ان کے دل میں اسلام کو سمجھنے کا جذبہ پیدا ہوا اور اسلام کے خلاف نفرت کے جو جذبات ان کے دل میں موجود تھے وہ رفتہ رفتہ کم ہونے لگے۔ پھر وہ وقت بھی آیا جب تمام مسلمان مشرکین مکہ کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر بحکم خداوندی مدینہ منورہ ہجرت کر گئے۔ اسلام کا پیغام تیزی سے پھیلتا گیا اور بالآخر وہ وقت بھی آیا جب مکہ فتح ہوا۔ ام مرثد رضی اللہ عنہا جو پہلے ہی اسلام سے متاثر تھیں حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور اسلام کی روشنی سے اپنے قلب کو منور کرنے کی سعادت حاصل

کی۔ یہی نہیں بلکہ ان کی والدہ محترمہ اور شوہر سمیت خاندان کے دیگر افراد بھی حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ کچھ عرصہ کے بعد ان کے شوہر کا انتقال ہو گیا اور اس سانحہ کے قریباً دس ماہ بعد انہوں نے دوسرا نکاح کیا جس سے ان کے دو لڑکے اور تین لڑکیاں ہوئیں۔

اسلام کے بعد زہد

اسلام قبول کرنے کے بعد حضرت ام مرثد رضی اللہ عنہا کے شب وروز بدل گئے۔ وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی یاد میں لگی رہتیں۔ خوب صدقہ وخیرات کرتیں، لوگوں کی خدمت کر کے خوش ہوتیں، کسی کو تکلیف نہ پہنچاتیں، لوگوں سے پہنچ جانے والی تکلیف کا شکوہ نہ فرماتیں، کبھی کسی سے تلخ کلامی نہ کرتیں، نرم مزاجی کو اپنا شعار بنایا، ہر ایسی مجلس میں بیٹھنے سے گریز فرماتیں جس میں کسی کی برائی ہو رہی ہو۔

روایت حدیث

انہوں نے حضور اکرم ﷺ سے احادیث بھی روایت کی ہیں اور ان احادیث کا ان سے سماع بھی کیا گیا۔ ان کی اولاد نے بھی والدین کے نقش قدم پر چلنے کو اپنا شعار بنایا چنانچہ خود بھی علم حدیث حاصل کیا اور اس کی نشر واشاعت بھی کی۔

۲۱ھ کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں حضرت ام مرثد رضی اللہ عنہا کی وفات ہوئی۔

(۳۱) حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی آزاد کردہ باندی، ایک مجاہدہ اور صحابہ کے مابین قابل احترام خاتون جو کوئی حق بات کہنے میں چوکتی نہ تھیں۔

تعارف

یہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خادمہ تھیں، حضور اکرم ﷺ کے خانگی حالات سے اچھی طرح واقف تھیں۔

حدیث کا علم

حضور اکرم ﷺ کی بعض احادیث حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہیں۔ اس اعتبار سے ان کے شاگردوں کا بھی ایک حلقہ تھا، ان کے شاگردوں میں عبدالملک بن مروان بھی ہیں جو بنو امیہ کے ایک بڑے حکمران گزرے ہیں۔

حضور اکرم ﷺ کی گھریلو زندگی کے بارے میں حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کی رائے

اس بارے میں حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ''حضور اکرم ﷺ کے تعلقات ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے ساتھ نہایت خوشگوار تھے۔ آپ ﷺ اپنی صاحبزادیوں کے ساتھ ہمیشہ حسن سلوک کا مظاہرہ فرماتے۔ رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی فرماتے، مہمانوں کا اکرام و احترام فرماتے، خادمین اور خادماؤں کے ساتھ رفق و نرمی کا برتاؤ فرماتے۔

حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کی غزوات میں شرکت

جن غزوات میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے شرکت فرمائی ان میں

حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا بھی شریک رہیں۔ان کی خدمات میں مجاہدین کو پانی پلانے،ان کے لیے کھانا تیار کرنے ،ہتھیار کی فراہمی اور زخمیوں کی مرہم پٹی جیسے کام شامل تھے۔

حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا بحیثیت جرأت مند خاتون

آپ رضی اللہ عنہا ایک جرأت مند خاتون تھیں۔انہوں نے کلمۂ حق کہنے میں کبھی کسی مصلحت کا لحاظ نہیں کیا۔یہاں تک کہ اگر خلفاء میں کسی قسم کی غلطیاں دیکھتیں تو بلا جھجک اس پر ٹوک دیا کرتی تھیں۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاں حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کا مرتبہ

تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کی بے حد عزت وتکریم فرماتے۔حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ بننے کے بعد بھی ان کے گھر تشریف لے جاتے اوران کی ضروریات کے متعلق پوچھ کر دریافت فرماتے رہتے تھے۔اسی طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی ان کے مکان پر تشریف لے جایا کرتے تھے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس درجہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کی عزت فرماتے کہ اگر راستے میں وہ نظر آجاتیں تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ انہیں دیکھ کر ٹھہر جاتے اور اس وقت تک رکے رہتے جب تک کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا انہیں چلنے کی اجازت نہ دے دیتیں۔

حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے اقوال وارشادات

(۱) تلاوت قرآن کی پابندی لازمی کرو۔

(۲) دنیا کے فائدے عارضی ہیں،ان کے لیے زیادہ تگ ودو نہیں کرنی چاہیے۔

(۳) کسی کو حقیر نہیں سمجھنا چاہیے۔

(۴) کمزور اور ناتواں شخص سے بدلہ نہ لینا ہی اصل بہادری ہے۔

(۵) اپنے اعمال کا ہمیشہ محاسبہ کرتے رہنا چاہیے۔

(۶) اپنا کام خود کرنا چاہیے۔
(۷) اکل حلال میں بے شمار برکتیں پوشیدہ ہیں۔
(۸) ضرورت سے زیادہ کلام کرنا دروغ گوئی کی راہ پر لگا دیتا ہے۔
(۹) زبان کو قابو میں رکھنا تقویٰ کی نشانی ہے۔
(۱۰) قتل و خونریزی ناقابل معافی گناہ ہے۔
(۱۱) ہمیشہ اپنے اعمال کا محاسبہ کرتے رہنا چاہیے۔
(۱۲) نیکی کی بات کو چھپانا امانت میں خیانت کرنا ہے۔
(۱۳) کسی کا محتاج بننے سے گریز کرنا چاہیے۔
(۱۴) کسی سے مانگنا ذلت کا سبب ہے۔

وفات

حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا اسی طرح دین پر چلتے ہوئے دنیا سے بے رغبتی کے ساتھ زندگی گزارتی رہیں حتیٰ کہ وہ خالق حقیقی سے جا ملیں ان کی وفات کے سن کا تعین کے ساتھ علم نہ ہو سکا۔

(۴۲) حضرت نجیبہ بنت حارث رضی اللہ عنہا

ایک عظیم المرتبت صحابیہ۔ نیک عبادت جو تقویٰ اور زہد کے عظیم مرتبے پر فائز تھیں۔ خدمت خلق اور خیرخواہی کے جذبے سے سرشار۔

زہد و تقویٰ

حضرت نجیبہ رضی اللہ عنہا کا شمار عظیم المرتبت صحابیات میں ہوتا ہے۔ بے حد عبادت گزار تھیں۔ نماز مسجد نبوی میں رسول اللہ ﷺ کی اقتداء میں پڑھتی تھیں۔ تلاوت قرآن کریم کثرت سے کرنا اور نفلی روزے رکھنا ان کے معمولات میں شامل تھا۔ غیبت سے پرہیز کرتیں حتیٰ کہ کسی ایسی مجلس میں بھی شرکت نہ فرماتیں جس میں کسی کی غیبت ہونے کا امکان ہو۔ گفتگو کرنے میں بے حد احتیاط سے کام لیتیں۔

خدمت خلق کا جذبہ

حضرت نجیبہ رضی اللہ عنہا خدمت خلق کے جذبہ سے بھی سرشار تھیں۔ فرماتی تھیں کہ کسی مسلمان کے کام آنا بہت بڑی عبادت ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا کو دوسروں کے کام آنے کا بہت شوق تھا۔ ایک مرتبہ عبادت میں مصروف تھیں کہ ایک عورت آئی اور اپنی کسی ضرورت کا ان سے تذکرہ کیا۔ حضرت نجیبہ رضی اللہ عنہا فوراً اٹھیں اور اس عورت کے کام میں اس کا ہاتھ بٹایا۔ اسی طرح ایک مرتبہ مسجد نبوی جارہی تھیں۔ ایک مکان سے بچے کے رونے کی آواز آرہی تھی۔ فوراً اس مکان میں گئیں اور بچے کی ماں سے کہا کہ تم بچے کو سنبھالو میں تمہارے گھر کا کام کر دیتی ہوں۔

اسلام سے محبت

حضرت نجیبہ رضی اللہ عنہا کی اسلام سے محبت کا یہ عالم تھا کہ اس کے بارے میں کوئی غلط بات سننا گوارا نہیں کرتی تھیں۔

ایک مرتبہ مدینہ منورہ کی کسی گلی میں ایک یہودی عورت کھڑی تھی، اتفاق سے حضرت نجینہ رضی اللہ عنہا کا وہاں سے گزر ہوا۔ اس یہودی عورت نے جب حضرت نجینہ رضی اللہ عنہا کو دیکھا تو اسلام کے بارے میں نازیبا کلمات کہے۔ یہ سننا تھا کہ آپ رضی اللہ عنہا کو شدید غصہ آیا اور چہرہ سرخ ہو گیا اور اس یہودی عورت سے یوں مخاطب ہوئیں:

"تمہارے پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام تو سچے اور اولوالعزم نبی تھے۔ لیکن تم لوگوں نے اپنے مذہب میں اپنے نبی کے بعد بگاڑ پیدا کر لیا۔ تم لوگ تحریف کے مرتکب ہوئے اور اپنے مذہب کے احکامات کو بدل ڈالا۔ حرام کو حلال کر لیا اور حلال کو حرام سے بدل دیا۔ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی بھی کی اور پیغمبر کے حکم کی خلاف ورزی بھی۔ اگر تم لوگ صداقت پسند ہوتے تو اپنے مذہب کے احکامات کو ہرگز نہ بگاڑتے۔

حضرت محمد ﷺ کی بعثت اور آپ ﷺ کی تشریف آوری کے بعد پچھلے تمام مذاہب کے ماننے والوں کے لیے یہ لازمی اور ضروری ہے کہ آپ ﷺ پر ایمان لائیں اور قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ کی سچی کتاب تسلیم کریں۔ اہل کتاب میں سے جو سمجھدار اور اصحاب بصیرت لوگ ہیں وہ آنحضرت ﷺ کی رسالت پر ایمان لا چکے ہیں۔ ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے ہاں دوہرا اجر ملے گا۔ ایک اپنے پیغمبر کو ماننے کا اور دوسرا اجر محمد ﷺ پر ایمان لانے کا۔ حضرت نجینہ رضی اللہ عنہا نے ساری گفتگو اس قدر درد کے ساتھ کی اور مخلصانہ انداز سے فرمائی کہ وہ یہودی عورت خاموش ہو گئی اور کسی گہری سوچ میں ڈوب گئی کچھ دیر کے بعد وہ اپنے گھر چلی گئی لیکن وہ تھوڑی ہی دیر کے بعد واپس حضرت نجینہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئی اور کلمہ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو گئی۔"

حضرت نجینہ رضی اللہ عنہا اور علم حدیث

حضرت نجینہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے براہ راست احادیث سنیں اور انہیں روایت بھی کیا۔ حضرت نجینہ رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کے ارشادات سننے کی غرض سے آپ ﷺ کی خدمت میں تشریف لے جایا کرتی تھیں۔

حضرت نجیبہ رضی اللہ عنہا کے وہ شاگرد جنہوں نے آپ رضی اللہ عنہا سے حدیث کا علم حاصل کیا، اچھی خاصی تعداد میں ہیں۔ ان میں عمیرہ بنت عبداللہ بن کعب بن مالک اور صفیہ بنت شیبہ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

حضرت نجیبہ رضی اللہ عنہا اور میدان جہاد

حضرت نجیبہ رضی اللہ عنہا نے میدان جہاد میں بھی کارہائے نمایاں انجام دیے۔ انہوں نے غزوۂ خیبر میں بھی حصہ لیا اور رسول اللہ ﷺ کی جانب سے انہیں مال غنیمت کے طور پر تیس وسق عطا فرمائے گئے۔ اس حوالے سے آپ رضی اللہ عنہا کے حالات اسد الغابہ اور طبقات ابن سعد میں ملتے ہیں۔

وفات

حضرت نجیبہ بنت حارث کی تاریخ وفات کا علم نہ ہو سکا۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو۔

(۴۳) نائلہ رحمہا اللہ بنت الفرافصہ رضی اللہ عنہا

گمنامی سے نکل کر یک دم امیر المومنین کی زوجہ بن جانے والی خاتون جن کی انگلیاں ذوالنورین کو بچاتے ہوئے کٹ گئیں۔ جن کی بددعا سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گستاخ کے ہاتھ شل ہو گئے۔ ایک محدثہ اور زاہدہ عابدہ خاتون۔

نائلہ کی وجہ انتخاب

حضرت نائلہ بنت الفرافصہ ابتدائے اسلام میں بالکل معروف نہ تھیں۔ سوائے آپ کے قبیلے کے یا ایک گاؤں میں جو کوفہ کے قریب ہے رہتی تھیں۔

خلیفہ ثالث حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے حضرت سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا تھا۔ کچھ عرصہ بعد حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے ایک خاتون سے شادی کی جن کا نام ہند بنت الفرافصہ رضی اللہ عنہا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خبر ہوئی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ سعید بن العاص، عقل رکھنے والے، صحیح بالرائے اور بہترین انتخاب کرنے والے شخص ہیں۔ یقیناً انہوں نے بنو کلب کی جس خاتون سے نکاح کیا ہے وہ بھی یقیناً صاحب فراست، صاحب عقل اور صاحب جمال ہوں گی۔ اس لیے انہوں نے سعید رضی اللہ عنہ کی طرف ایک خط لکھا۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

اما بعد! مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم نے بنو کلب کی کسی خاتون سے نکاح کیا ہے۔ مجھے اس کے حسب و جمال کے بارے میں لکھ بھیجو اور بتاؤ۔ تو سعید رضی اللہ عنہ نے مختصراً جواب تحریر کیا۔

ان کا حسب تو یہ ہے کہ وہ فرافصہ بن الاحوص کی بیٹی ہیں اور ان کا جمال یہ ہے کہ وہ گوری اور دراز قد خاتون ہیں۔ والسلام۔

پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف خط لکھا کہ اگر ان کی کوئی بہن موجود ہو تو میرا ان سے نکاح کروا دو۔ تو سعید رضی اللہ عنہ نے حکم کی تعمیل اور فرافصہ کو

ہوا کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو ذکر کیا۔ اور کہا کہ امیر المومنین سے اپنی بیٹی کی شادی کروا دو۔

فرافصہ اس وقت نصرانی تھے۔ ان کے بیٹے اور بیٹیاں مسلمان تھیں تو انہوں نے اپنے بیٹے ضب سے کہا کہ تم ان کے مذہب پر ہو تم نائلہ کے ولی بن کر اپنی بہن کا نکاح کر دو۔ اور یوں آپ نائلہ بنت الفرافصہ سے نائلہ زوجہ امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بن کر مدینہ میں آ گئیں۔ گویا آپ کا انتخاب کسی مال و دولت یا خاندان کی بناء پر نہیں تھا بلکہ عقل و دانش اور فراست و جمال پر تھا۔

(تاریخ دمشق ص ۲۰۴ نسب قریش ص ۱۰۵ لمعونتی ص ۱۹۳)

نائلہ کا شوق عبادت وحصول حدیث وعلم

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے شادی کے بعد جب نائلہ رضی اللہ عنہا مدینے میں رہنے لگیں یہ سن ۲۷ ھ کا وقت تھا۔ اسی وقت سے آپ کی سیرت آفاق عالم میں پہنچنا شروع ہو گئیں۔ آپ کا عبادت کرنا لمبی لمبی نمازیں پڑھنا اور حصول علم کے لئے صحابیات اور ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس جانا یہ سب آپ کے مرتبے کو بڑھانے کی معراج بنے۔

آپ نے حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا کے پاس آنا جانا شروع کیا اور ان سے احادیث روایت کیں۔ اسی طرح آپ نے اپنے شوہر حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے بھی احادیث روایت کیں۔ اور آپ سے نعمان بن بشیر انصاری وغیرہ نے روایت کی۔

آپ کی مرویات میں سے ایک یہ ہے۔ فرماتی ہیں کہ:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ نے ایک نماز میں ہماری امامت کی اور ہمارے درمیان کھڑی ہوئیں۔ نائلہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ زندگی میں بہترین خیر خواہ اور امانت دار ثابت ہوئیں وہ صرف ان سے محبت اور الفت کی خواہش رکھتی تھیں اور اپنے آپ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت کے لئے خاص کر رکھا تھا۔

نائلہ سے عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی محبت

نائلہ رحمہا اللہ جب اپنے گھر کوفہ سے رخصت ہونے لگیں تو ان کے والد نے انہیں نصیحتیں کیں اور کہا کہ میری بچی! تم قریش کی عورتوں میں جا رہی ہو وہ صفائی میں تم سے زیادہ قادر ہیں۔ میری طرف سے دو خصلتیں یاد رکھنا۔

ایک سرمہ، دوسرا پانی تو سرمہ لگانا اور پانی سے صفائی رکھنا تا کہ تیری خوشبو پرانی چھوٹی مشک کی طرح جس پر بارش ہوئی ہو ہو جائے۔ چنانچہ نائلہ اپنے والد کی قیمتی نصیحتوں پر قائم رہیں۔

نائلہ ایک ذہین اور نہایت عقلمند خاتون تھیں۔ وہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاں آئیں تو انہیں اپنی فصاحت و بلاغت اور حسن ادب کی وجہ سے بہت اچھی لگیں اور آپ رضی اللہ عنہ نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا اور برکت کی دعا کی۔

نائلہ حضرت عثمان کو سب سے زیادہ محبوب ہوئیں اور آپ کی ایک بچی کی ماں بھی بنیں جس کا نام مریم بنت عثمان رکھا گیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں جتنی عورتوں کے پاس داخل ہوا ان سے زیادہ کوئی عقلمند تھی نہ کوئی اس لائق تھی کہ میری عقل پر غالب آ جائے۔

نائلہ کی جاں نثاری

سن ۳۵ھ میں خوارج کا زور اور ان کا فتنہ بہت بڑھ گیا تھا بالآخر خوارج نے ذی الحجہ کے مہینے میں جبکہ اکثر صحابہ کرامؓ حج کیلئے گئے ہوئے تھے۔ حضرت عثمان پر قاتلانہ حملہ کیا یہ جمعہ کا دن اور چاشت کا وقت تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ قرآن پاک کی تلاوت کر رہے تھے جب انہوں نے حملہ کیا تو حضرت نائلہ نے اپنے آپ کو حضرت عثمان پر گرا دیا تا کہ ان کا بچاؤ ہو سکے۔

ایک قاتل نے حضرت عثمان پر وار کیا جو کہ ان کے ہاتھ پر لگا۔ قریب ہی قرآن پاک رکھا ہوا تھا۔ آپ کے ہاتھ وہ ہاتھ تھے جو سب سے پہلے قرآن لکھنے والے تھے اور

آپ کے خون کا پہلا قطرہ قرآن کی اس آیت پر گرا:

فسیکفیکھم اللہ وھو السمیع العلیم (البقرہ آیت ۱۳۷)

اور تو اللہ انہیں کافی ہو جائے گا اور وہی سننے والا اور جاننے والا ہے۔

پھر دوسرا آدمی تلوار لہراتا ہوا آیا اور حضرت عثمانؓ پر تلوار کا وار کیا مگر حضرت نائلہ رحمہا اللہ نے تلوار ہاتھ سے پکڑ لی اور جب اس آدمی نے تلوار دوبارہ کھینچی تو حضرت نائلہ کے ہاتھ کی انگلیاں شہید ہو گئیں اور کٹ کر دور جا گریں۔

اسی اثناء میں ایک اور آدمی نے تلوار ماری جو حضرت عثمانؓ کے جسم میں آر پار ہو گئی اور آپ مظلوم مدینہ شہید ہو گئے۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ۔

اس پورے دن میں مدینہ میں خوارج ہنگامہ مچاتے رہے اور انہوں نے حضرت عثمان بن عفانؓ کو دن میں دفن کرنے بھی نہ دیا۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ خوارج کی شورش بہت بڑھ گئی تھی اور وہ جنازہ دفنانے بھی نہیں دے رہے تھے تو ام المؤمنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ اگر تم نے عثمان کو دفن نے نہ دیا تو میں سر سے چادر اتار کر گلی میں آ جاؤں گی تو آپ رضی اللہ عنہا کی اس دھمکی سے خوارج ڈر گئے اور انہیں رات میں دفنا دیا۔ جنازے میں چند ہی افراد کو شریک ہونے دیا گیا۔

حضرت نائلہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عثمانؓ پر خوب آنسو بہائے۔ جب رات کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو دفن کرنے کے لیے نکلے تو نائلہ رضی اللہ عنہا کے ہاتھ میں چراغ تھا اور رو رو آواز لگا رہی تھیں۔ واعثماناہ وامیر المؤمنیناہ

(اسد الغابہ ج ۷ ص ۱۹۷۔ تاریخ اسلام ذہبی ج ۳ ص ۴۵۵)

صابرہ باوفا نائلہ

حضرت عثمانؓ کی شہادت سے چالیس دن قبل انہیں اپنے گھر میں نظر بند کر دیا گیا تھا اور چالیس دن تک آپ کا پانی بند رہا۔ آپ پر مسجد نبوی میں نماز پڑھنے پر بھی پابندی لگا دی گئی تھی اور اس مشکل وقت میں حضرت نائلہ قدم قدم پر آپ کے ساتھ تھیں وہ آپ

کی دل جوئی کرتیں۔ اس تمام عرصہ میں حضرت عثمان بن عفانؓ کے ساتھ رہیں اور مشکلات پر صبر کیا۔ نائلہ نے شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد بھی آپ کے ساتھ وفا کی بڑی اچھی مثال قائم کی۔ آپ نے عدت بھی اپنے شوہر کے گھر گزاری اور ساری زندگی آپ کے نام پر کر دی اور پھر ساری زندگی دوسری شادی نہیں کی۔

آپ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے فضائل ہر جگہ بیان کرتیں اور آپ کے فضائل بیان کرنے کو ترجیح دیتیں۔ آپ رضی اللہ عنہ کے قتل کے وقت نائلہ رضی اللہ عنہا نے کہا تھا کہ تم نے ایسے شخص کو قتل کر دیا جو ایک رکعت میں قرآن پڑھتا تھا۔

مستجاب الدعوات نائلہ

آپ کو اللہ نے اپنی بارگاہ میں مقبولیت عطا فرمائی تھی۔ آپ اپنے زہد و عبادت کی وجہ سے بڑے مرتبہ پر فائز تھیں۔ تاریخ میں آپ کی ایک کرامت لکھی ہے۔

حافظ ابن عساکر نے بنی راہب سے تعلق رکھنے والے بعض شیوخ سے نقل کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں بیت اللہ کا طواف کر رہا تھا اور وہاں ایک نابینا شخص بھی بیت اللہ کا طواف کر رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ اے اللہ تو مجھے معاف کر دے مگر میں نہیں سمجھتا کہ تو مجھے معاف کرے گا۔

تو میں نے اس سے کہا کہ تو اللہ سے نہیں ڈرتا جو ایسی بات کر رہا ہے؟ وہ کہنے لگا میں نے ایک بہت بڑا گناہ کیا ہے۔ جب حضرت عثمان بن عفان کو شہید کر دیا گیا تو میں نے اور میرے ایک ساتھی نے ارادہ کیا کہ عثمان رضی اللہ عنہ کو تھپڑ ماریں گے اور ہم ان کے گھر میں داخل ہو گئے۔ تو دیکھا کہ شہید عثمان رضی اللہ عنہ کا سر ان کی زوجہ نائلہ بنت الفرافصہ رضی اللہ عنہا کی گود میں رکھا ہوا تھا اور وہ رو رہی تھیں۔ ہم نے کہا کہ ان کا چہرہ کھولو، ہم ان کو تھپڑ ماریں گے تو انہوں نے کہا کیا تم اس پر راضی نہیں ہو جو رسول اللہ ﷺ نے ان کے فضائل میں کہا۔ تو میرا ساتھی شرما کر چلا گیا مگر میں نے کہا کہ میں ماروں گا تو وہ مجھ سے جھگڑنے لگیں۔ مگر میں نے انہیں تھپڑ چہرے پر مار ہی دیا۔ تو نائلہ نے کہا کہ تو نے ایسا کیوں کیا؟ اللہ تیرے ہاتھ سکھا دے اور تجھے اندھا

کر دے اور تیرو گناہ معاف نہ کرے۔" اس شخص نے کہا کہ میں ابھی دروازے پر بھی نہیں پہنچا تھا کہ خدا نے میرے دونوں ہاتھ سکھا دیے اور میری آنکھیں چلی گئیں اور اب میں نہیں سمجھتا کہ اللہ میرا گناہ معاف کرے گا۔ (تاریخ دمشق ص ۱۰)

محمد بن سیرین کہتے ہیں کہ میں نے اس شخص کا ہاتھ دیکھا تھا وہ عود کی سوکھی لکڑی کی طرح تھا۔

اس طرح اللہ نے ان کی دعا قبول کی کرنا تھا اور اللہ رب العزت کے درمیان کوئی حجاب نہ تھا اور اللہ تعالیٰ اس صابر خاتون کے اجر کو ضائع نہ فرمائیں گے اور جس کی دعا کو اس نے قبول فرمایا۔

وفات

حضرت نائلہ کی وفات کی تاریخ کے بارے میں علم نہ ہو سکا۔

(۳۴) حضرت بُسیرہ رضی اللہ عنہا

نبی کریم ﷺ پر ابتداء میں ایمان لانے والی اسلام کی خاطر شدید مشکلات برداشت کیں کئی جنگوں غزوات میں حصہ لیا۔ ایک عبادت گزار زاہد خاتون۔

خاندانی پس منظر

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئیں آپ کا تعلق عرب کے جس قبیلہ سے تھا اس کا شمار جنگجو قبائل میں ہوتا تھا، پیشے کے اعتبار سے یہ لوگ زیادہ تر اونٹ اور بکریاں پالتے تھے، البتہ کچھ لوگ تجارت بھی کرتے تھے اور اس کی خاطر شام، طائف اور بصریٰ وغیرہ کا سفر بھی کرتے تھے۔

قبول اسلام

ان کے قبیلے کے کچھ افراد ایسے بھی تھے جو راہبوں اور تارک الدنیا زاہدوں سے ملاقات کرتے رہتے تھے، یہ راہب ان کو بتاتے تھے کہ انجیل اور دیگر کتاب الٰہی کی پیشن گوئی کے مطابق ایک ایسا نبی آنے والا ہے جو سرزمین عرب میں پیدا ہوگا اور آخری نبی ہوگا اور کچھ ہی عرصے میں تمام دنیا اس کی تابع ہو جائے گی۔ اسی اثناء میں ان کے قبیلے کے ایک شخص نے ایک دن شام کے سفر سے واپسی پر بتایا کہ ایک راہب کا کہنا کہ عرب میں آخری نبی پیدا ہوگا اور ممکن ہے کہ یہ نبی قریش کے خاندان میں سے ہو۔ پھر جب رسول اکرم ﷺ کا ظہور ہوا تو عرب کے لوگوں نے راہبوں کی ان باتوں پر جو وہ آخری نبی کے بارے میں کرتے آئے تھے سنجیدگی سے غور وفکر شروع کر دیا۔ انہیں دنوں یعنی رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے وقت حضرت بسیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے بعض اقرباء سے ملاقات کے لئے مکہ مکرمہ سے طائف تشریف لے گئی تھیں۔ قریباً تین ماہ بعد واپسی ہوئی تو معلوم ہوا کہ حضرت محمد ﷺ نے اللہ کے رسول ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور کچھ لوگ جن میں بچے، بوڑھے جوان، عورتیں، خواندہ، ناخواندہ، غلام، آزاد، امیر غریب شامل

ہیں ان پر ایمان لا چکے ہیں۔ چنانچہ حضرت بسیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دل میں بھی اسلام کی تعلیمات کو جاننے اور ان پر غور و فکر کا جذبہ بیدار ہوا۔ انہوں نے خفیہ طور پر چند خواتین سے ملاقات کی اور اسلام کے بارے میں معلومات حاصل کیں بعد از اں غور و فکر کے بعد اس نتیجہ پر پہنچیں کہ رسول اکرم ﷺ نبی برحق ہیں اور اسلام سچا مذہب ہے پھر ایک دن حضرت بسیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوگئیں۔ حضور اکرم ﷺ ام المؤمنین حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مکان پر تشریف فرما تھے۔

آپ ﷺ نے ان سے آنے کے مقصد کے متعلق دریافت فرمایا تو انہوں نے جواب میں عرض کیا کہ چند باتیں پوچھنا چاہتی ہوں:

۱۔ اسلام کے بارے میں کچھ آگاہ فرمائیں آپ ﷺ نے فرمایا کہ اسلام اللہ کے فرشتوں اس کی کتابوں اور رسولوں کو سچا ماننے اور ان پر ایمان لانے کا نام ہے۔

۲۔ پھر حضرت بسیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اسلام کی تعلیمات کے بارے میں پوچھا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ”اسلام کی تعلیمات یہ ہیں کہ کسی پر ظلم نہ کیا جائے“ ہمسایوں کا خیال رکھا جائے، اپنی زبان اور ہاتھ سے کسی کو تکلیف نہ دی جائے۔ اللہ کو ایک مانا جائے اور اس کے رسول کی اطاعت کی جائے“

یہ تمام باتیں حضرت بسیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دل میں اتر گئیں اور وہ اسی وقت کلمہ شہادت پڑھ کر مسلمان ہوگئیں۔

قبول اسلام کے بعد مشکلات اور ان کی استقامت

اسلام قبول کرتے ہی حضرت بسیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی زندگی کا ایک آزمائشی دور شروع ہوگیا۔ چونکہ یہ مکی زندگی تھی اور بہت سے مسلمان اسلام قبول کرنے کے جرم میں مشرکین کے ہاتھوں ظلم و ستم کا شکار تھے۔ لہٰذا حضرت بسیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اسلام لانے سے مظلوموں کی فہرست میں ایک نام اور شامل ہوگیا کل تک جو لوگ ان سے اچھی طرح ملتے تھے [illegible]وں نے ان سے نظریں پھیرلیں ان کے گھر سے باہر کیا

فضاء یک دم تبدیل ہوگئی۔ عزیز و اقارب سب اجنبی بن گئے، گھر والوں نے ان کا کھانا پانی تک بند کر دیا۔ ایک روز جب ان کے گھر والے اور کچھ ہمسائے انہیں مار پیٹ رہے تھے تو انہوں نے کہا: اگر تم لوگ مجھے اس لئے تکلیف دیتے ہو کہ میں نے اسلام قبول کر لیا ہے تو یاد رکھو میرا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں (حضرت) محمد ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں ہر شخص کے لئے یہ ضروری ہے کہ ان کی اطاعت کرے اب اگر تم چاہو تو مجھے جان سے مار ڈالو یا مجھے آگ میں جلا کر میری راکھ فضا میں اڑا دو میں اسلام کو ہرگز نہ چھوڑوں گی۔ تم لوگ ظالم ہو اور میں مظلوم اور اللہ تعالیٰ مظلوم کی دعا ضرور قبول فرماتا ہے۔

حضرت یسیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی یہ تقریر اس قدر پر اثر تھی کہ جو لوگ ان کو مار رہے تھے وہ سب پیچھے ہٹ گئے اور ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیا۔ بلکہ بہت سے لوگ اس وقت یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ واقعی اسلام ایک سچا مذہب ہے کہ ایک عورت جان قربان کرنے پر تو تیار ہے لیکن اس مذہب کو ترک کرنا اسے کسی قیمت پر گوارا نہیں۔ یہی نہیں بلکہ اس کے نتیجے میں کچھ لوگوں نے اسلام قبول کر لیا جن میں ان کے کچھ عزیز و اقارب بھی شامل تھے۔

ہجرت مدینہ

جب مکہ مکرمہ میں مسلمانوں کا رہنا تنگ اور دشوار ہوگیا تو اب مسلمانوں نے مدینہ منورہ ہجرت کی تیاری شروع کر دی۔ چنانچہ حضرت یسیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی اپنے بھائی، بیٹے، بہوں اور بعض دیگر رشتہ داروں کے ساتھ ہجرت مدینہ کی سعادت حاصل کی۔

غزوات میں شرکت

مدینہ منورہ پہنچ کر حضرت یسیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ان کے خاندان کے دیگر افراد نے مسلمانوں اور دشمنان اسلام کے درمیان ہونے والے غزوات اور دیگر جنگوں

میں بھر پور حصہ لیا۔ ان میں غزوۂ بدر اور غزوۂ احد قابل ذکر ہیں۔ ایک وقت وہ بھی تھا کہ جب ان کا خاندان اسلام کا زبردست دشمن تھا لیکن اسلام قبول کرنے کے بعد ان کے خاندان نے اسلام کی عزت، وقار اور سربلندی کے لئے بھر پور کردار ادا کیا۔

حضرت بسیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور علم حدیث

حضرت بسیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حضور ﷺ کی کچھ احادیث بھی مروی تھیں۔ اس کے ساتھ ہی ان کے شاگردوں کا ایک حلقہ بھی ہے جنہوں نے حضرت بسیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے احادیث سن کر دوسروں کو حضور ﷺ کے قیمتی ارشادات سے آگاہ کیا۔

وفات

حضرت بسیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنی شاندار زندگی اسی نہج پر گذارتی رہیں تا آنکہ خالق حقیقی سے جا ملیں۔ ان کے سن وفات کا تعین کے ساتھ علم نہ ہو سکا۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو۔

(۳۵) حضرت حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا

حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی قریبی رشتہ دار تھیں وہ اس طرح کہ یہ آپ ﷺ کی پھوپھی امیمہ بنت عبدالمطلب کی بیٹی تھیں۔ اور آپ کی زوجہ ام المؤمنین زینب بنت جحش کی بہن تھیں۔

قافلہ سابقات میں

حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا ان صحابیات میں سے تھیں جنہوں نے پہلے ہی مرحلے میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ حمنہ کا گھرانہ مسلمان تھا۔ قریش نے جب ان کے لئے مشکلات پیدا کیں مشرکوں نے ان پر ظلم ڈھائے تو تمام مسلمان مرد و زن مدینے کی طرف ہجرت کر گئے مردوں میں عبداللہ بن جحش اس کا بھائی ابو احمد عکاشہ بن محصن اور خواتین میں زینب بنت جحش ام حبیب بنت جحش، جذامہ بنت جندل، ام قیس بنت محصن، ام حبیب بنت ثمامہ اور حمنہ رضی اللہ عنہن تھیں۔ (السیرۃ النبویۃ ۱/۴۷۸)

مدینہ منورہ میں حضرت حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا دیگر مومن خواتین کی طرح خوش و خرم زندگی بسر کرنے لگیں ان کا مطمع نظر رضائے الہی کا حصول تھا۔ نبی کریم ﷺ کے روحانی چشمے سے فیضیاب ہونے لگیں نیز حضرت حمنہ رضی اللہ عنہا اپنے عظیم خاوند حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے اخلاق عالیہ اور اوصاف حمیدہ کو اپناتے ہوئے بلند درجات حاصل کرنے کی راہ پر گامزن ہوئی۔ یہاں ایک بیٹی کو جنم دیا جس کا نام زینب بنت مصعب تھا۔ (الطبقات ۸/۲۱۹)

جب رسول اللہ ﷺ نے اسلام کی سربلندی کے لیے دشمنوں سے نبرد آزما ہونے کے لیے غزوات کا آغاز کیا تو حضرت حمنہ رضی اللہ عنہا نے ان معرکوں میں قابل قدر خدمات سرانجام دیں۔

اے حمنہ ثواب کی امید رکھ

غزوۂ احد میں حضرت حمنہ رضی اللہ عنہا مجاہدین کے ہمراہ خواتین کی جماعت میں

میدان جنگ کی طرف روانہ ہوئیں۔ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا ام سلیم بنت ملحان اور ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پانی کے مشکیزے اٹھائے جا رہی ہیں۔ وہاں حمنہ بنت جحش پیاسوں کو پانی پلا رہی ہیں اور زخمیوں کا علاج کر رہی ہیں۔ اور ام ایمن رضی اللہ عنہا زخمیوں کو پانی پلا رہی ہیں۔ (المغازی ۱/۲۴۹،۲۵۰)

غزوۂ احد میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ اور ستر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو خلعت شہادت سے نوازا۔ سورۂ احزاب میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا (الاحزاب:۲۵)

ان غمزدہ لمحات میں حضرت حمنہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کے سامنے آئی تو آپ نے ارشاد فرمایا: اے حمنہ! ثواب کی امید رکھو عرض کی کس بنا پر یا رسول اللہ ﷺ فرمایا: تیرا ماموں حمزہ شہید ہو گیا۔

یہ سن کر کہا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ اسے بخشے اس پر اپنی رحمت کی برکھا برسائے۔ اسے شہادت مبارک ہو۔

پھر آپ ﷺ نے فرمایا: اے حمنہ ثواب کی امید رکھ۔ عرض کی یا رسول اللہ ﷺ کس بنا پر۔

آپ ﷺ نے فرمایا تیرا بھائی شہید ہو گیا۔ یہ سن کر کہا: انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ اسے بخشے اس پر رحم کرے اسے جنت مبارک ہو۔

پھر نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے حمنہ ثواب کی امید رکھ، عرض کی یا رسول اللہ! کس بنا پر، فرمایا: تیرا خاوند مصعب بن عمیر بھی شہید ہو گیا ہے۔

یہ سن کر حضرت حمنہ رضی اللہ عنہا کے منہ سے بے ساختہ چیخ نکلی اور شدت غم سے نڈھال ہو گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ منظر دیکھ کر فرمایا:

''عورت کے نزدیک اپنے خاوند کا جو مقام ہوتا ہے وہ کسی اور کا نہیں ہوتا''۔

آپ نے دیکھا کہ یہ خاتون ماموں اور بھائی کی شہادت کی خبر سن کر ثابت قدم رہی

لیکن شوہر کی شہادت کی خبر سنتے ہی اس کے منہ سے بے ساختہ چیخ نکل گئی۔
رسول اللہ ﷺ نے اس کے حق میں دعا کی۔
بعد میں اس کی شادی طلحہ بن عبید اللہ سے ہوئی اس سے محمد بن طلحہ پیدا ہوئے۔
حضرت طلحہ اپنے بیٹے سے بہت پیار کیا کرتے تھے۔(المغازی ۱/۲۹۱،۲۹۲، السیرۃ الحلبیہ ۲/۹۸)
حضرت حمنہ رضی اللہ عنہا نے جہاد کا سفر مسلسل جاری رکھا۔ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ غزوہ خیبر میں شریک ہوئیں۔ خیبر فتح کر لینے کے بعد جب مال غنیمت تقسیم ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے تیس وسق غلہ اسے بھی دیا۔(السیرۃ الحلبیہ ۳/۳۵۲، الطبقات ۸/۲۴۱)

یارسول اللہ ﷺ اس کا نام رکھ دیں

حضرت حمنہ رضی اللہ عنہا نے جب اپنے بیٹے کو جنم دیا تو اسے لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ عرض کی یارسول اللہ ﷺ اس کا نام رکھ دیجیے۔
آپ نے اس کا نام محمد رکھا اور کنیت ابوالقاسم رکھی اور اس کے سر پر اپنا دست مبارک پھیرا۔(الاصابہ ۴/۳۵۷)
بڑا ہو کر یہ بچہ عبادت گزار بنا کثرت سجود کی بنا پر اس کا نام سجاد مشہور ہو گیا۔ یہ بڑا ہی زاہد، عابد اور صالح نوجوان تھا۔ یہ جمادی الاولی ۳۶ھ کو جنگ جمل میں شہید ہوا۔
حضرت حمنہ رضی اللہ عنہا کا ایک اور بیٹا تھا جس کا نام عمران بن طلحہ تھا۔(الطبقات ۵/۱۶۶)

حدیث روایت کرنے کا شرف

حضرت حمنہ رضی اللہ عنہا میں بڑی خوبیاں پائی جاتی تھیں، ان میں ایک یہ تھی کہ انہیں رسول اللہ ﷺ سے حدیث روایت کرنے کا شرف حاصل تھا۔ اور اس سے پھر ان کے بیٹے عمران بن طلحہ رضی اللہ عنہ نے حدیث روایت کرنے کا شرف حاصل کیا۔
حضرت حمنہ رضی اللہ عنہا کو ایک شرف یہ بھی حاصل تھا کہ ان کی ہمشیرہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کو ام المومنین ہونے کا اعزاز حاصل ہوا، جب حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی وفات کا وقت قریب آیا، تو فرمایا میں نے اپنا کفن تیار کر رکھا ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی

میرے لیے کفن بھیجیں گے، ان میں سے ایک کفن کسی مستحق کو دے دینا۔ جب یہ وفات پا گئیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے لیے پانچ کپڑوں پر مشتمل کفن بھیجا۔ وہ انہیں پہنایا گیا اور جو کفن انہوں نے خود اپنے لیے بنایا تھا حضرت حمنہ رضی اللہ عنہا نے کسی مستحق کو صدقہ کر دیا (الاصابہ ۳/۳۰۸) اس طرح اپنی ہمشیرہ کی وصیت پر عمل پیرا ہوئیں۔

حضرت حمنہ رضی اللہ عنہا نے قابل رشک زندگی بسر کی، زندگی بھر اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت معمول رہا۔

رسول اللہ ﷺ اس پر اور اس کے خاوند پر زندگی بھر راضی رہے۔

تاریخی واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت حمنہ رضی اللہ عنہا ۲۰ ہجری کے بعد تک زندہ رہیں کیونکہ ان کی ہمشیرہ حضرت ام المومنین زینب بنت جحش کی وفات ۲۰ ہجری کو ہوئی۔

(۳۶) اسماء بنت یزید الانصاریہ رضی اللہ عنہا

حضرت اسماء بنت یزید بن السکن الانصاریہ الاشہلیہ (التہذیب ۱۲/۳۹۹، الاصابہ ۴/۲۲۹) نے فصاحت و بلاغت اور فن خطابت میں شہرت حاصل کی۔ شجاعت بہادری کا وافر حصہ اس کے نصیب میں تھا عبادت اور احادیث کی روایت کے میدان میں عظیم الشان مقام پر فائز ہوئیں۔

اس انصاری صحابیہ کا تعلق قبیلہ اوس کی شاخ بنو عبدالاشہل سے تھا۔ یہ حضرت سعد بن معاذ کا خاندان تھا۔ اس کی کنیت ام سلمہ تھی، اور بعض کا خیال ہے کہ اس کی کنیت ام عامر تھی۔ یہ بیعت کی سعادت حاصل کرنے والی ایک مجاہد خاتون تھی۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا خواتین کی جانب سے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیغام رسانی کا فریضہ سرانجام دیتی تھیں۔ یہ عقل مند اور دین دار خواتین میں سے تھیں۔ اسے خطیبۃ النساء کہا جاتا تھا۔ وہ ایک روز نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ میں اپنے پیچھے بہت سی خواتین چھوڑ کر آئی ہوں۔ ہر ایک کی زبان پر یہی بات ہے جو میں آپ کی خدمت میں عرض کرنا چاہتی ہوں سب خواتین میری رائے سے متفق ہیں۔ اور وہ بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مردوں اور عورتوں کی طرف یکساں طور پر نبی بنا کر بھیجا ہے۔ ہم آپ پر ایمان لائیں اور آپ کی اتباع کی ہم عورتیں پردہ دار، گھروں میں پابند مردوں کی خدمت گزار اور بچوں کی دیکھ بھال میں مصروف رہتی ہیں۔ مرد حضرات جمعہ جماعت، جنازوں میں شرکت اور جہاد میں حصہ لے کر فضائل سے اپنی جھولیاں بھر لیتے ہیں۔ جب وہ جہاد کے لیے نکلتے ہیں تو ہم ان کے مال کی حفاظت کرتی ہیں۔ اور ان کی اولاد کو پالتی ہیں۔ یارسول اللہ ﷺ کیا اجر و ثواب میں ہم بھی ان کی حصہ دار ہوتی ہیں۔

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کی طرف دیکھتے ہوئے ارشاد فرمایا: کیا تم نے خاتون کی بات سنی، دینی لحاظ سے اس نے کتنا ہی اچھا سوال کیا۔

سب نے یک زباں ہو کر کہا: یا رسول اللہ ﷺ ہمیں یہ اندازہ نہ تھا کہ کوئی خاتون اس قسم کا عمدہ سوال بھی کر سکتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اس خاتون سے کہا: اے اسماء جاؤ خواتین کو یہ پیغام دے دو کہ تم میں سے ہر ایک کا اپنے خاوند کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا اور اس کی خوش نودی کو پیش نظر رکھنا اور اس کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلنا تمہیں ان فضائل کے برابر لا کھڑا کرے گا جن کا تذکرہ مردوں کے لیے بیان کیا گیا ہے۔

حضرت اسماء لا الہ الا اللہ اور اللہ اکبر کہتی ہوئی اور رسول اللہ ﷺ کے فرمان سے شاداں و فرحاں واپس ہو گئیں۔ (الاستیعاب ۴/۲۳۳، اسد الغابۃ ۵/۳۹۸، السیرۃ الحلبیۃ ۱/۱۳۹)

آپ کی فصاحت اور بلاغت

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فصاحت کی سند حاصل تھی، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کی فصاحت و بلاغت کی وجہ سے آپ کو "خطیبۃ النساء" کہتے تھے۔

روایت ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک وفد لے کر حاضر ہوئیں اور ایک خطبہ کہا جو آپ کی ذکاوت، حسن ادب، بلاغت اور کلام کی پیشانی پر قابض ہونے کی دلیل ہے۔ آپ تشریف لائیں اور کہا یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، آپ اللہ کے رسول ہیں، میرے پیچھے خواتین کی ایک جماعت ہے جو مجھ جیسی ہی بات کرتی ہے۔

پھر کہا: اللہ تعالیٰ نے آپ کو مردوں اور خواتین کی طرف مبعوث فرمایا ہے، ہم آپ پر ایمان لائے اور آپ کی پیروی کی۔ ہم پردہ دار خانہ نشین عورتیں ہیں، مردوں کی چاہتوں کا مرکز اور ان کی اولادوں کی مائیں ہیں، اللہ تعالیٰ نے مردوں کو جمعہ اور جماعت سے فضیلت عطا کی ہے اور اسی طرح جنازوں اور جہاد میں شرکت سے، جب یہ مرد جہاد کے لئے نکلتے ہیں تو ہم ان کی اولادوں کی نگرانی اور پرورش کرتی ہیں تو کیا ہم بھی مردوں کے اجر میں شامل ہیں؟

چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ نے آپ کے خطبے اور سوال کے انداز کی تعریف

فرمائی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: خدا کی قسم یا رسول اللہ ہم نہیں سمجھتے کہ کوئی اور عورت آپ سے اتنی بہترین بات کر سکے۔

پھر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اے اسماء جاؤ اور ان عورتوں کو بتا دو کہ تمہارا اپنے شوہر کی اچھے طریقے سے اطاعت کرنا اور اسے خوش رکھنا اور اس کی بات پر چلنا ان فضائل کے برابر ہے جو تم نے مردوں کے بتائے ہیں۔

ذہین و فطین تلمیذہ

مسلمان عورت کے لئے ضروری ہے کہ وہ مرد کی طرح دین کے احکامات و احوال سیکھے اور علم اور سمجھداری سے مسلح ہونے کے لئے ہر جائز راستہ اختیار کرے۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا خواتین کے لئے بہترین نمونہ تھیں جو آنحضرت ﷺ سے اہم سوالات کرتیں تا کہ صحیح راستے پر گامزن ہو سکیں۔ علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے ان کا تعارف یوں کروایا ہے:

حضرت اسماء صاحب عقل اور صاحب دین تھیں۔ (الاستیعاب، ج ۴ ص ۲۳۲)

ان دو صفات نے حضرت اسماء کو خواتین انصار میں با فضیلت، سمجھدار اور فقیہات میں سے بنا دیا تھا۔

خطیب بغدادی نے لکھا ہے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اسماء بنت یزید نے نبی کریم ﷺ سے حیض کے غسل کے بارے میں دریافت کیا تو آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ بیری کے پتے لے کر ان کے پانی سے سر دھوؤ اور خوب رگڑو حتیٰ کہ پانی کے تمام حصوں میں پہنچ جائے پھر کوئی کپڑے کا ٹکڑا لے کر اس سے پاکی حاصل کی جائے۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے کہا کہ کس طرح پاکی حاصل کروں، آپ ﷺ نے فرمایا: سبحان اللہ العظیم پاکی حاصل کرو، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ آنحضرت ﷺ کا مقصد ہے خون کے دھبے وغیرہ صاف کئے جائیں۔

(الاسماء المبہمہ فی الانباء المحکمہ، خطیب بغدادی ص ۲۸)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو دینی امور کے علم یقین کے حاصل کرنے میں کوئی شیء مانع نہ ہوتی تھی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے انصاری خواتین کی مدح ان الفاظ میں فرمائی:

بہترین خواتین انصار کی ہیں، انہیں دین کے بارے میں پوچھنے اور سمجھنے سے حیاء مانع نہیں ہوئی۔ (اسد الغابہ مترجم، ص ۲۷۰۴۔

الاصابہ، ج ۳، ص ۲۳۰)

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی سخاوت اور عشق رسول ﷺ

سخاوت انصار کی ایک پاکیزہ صفت تھی جس کی تعریف اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ نے دی ہے جب آپ انصار رضی اللہ عنہم کے گھر تشریف لاتے تو فرماتے: ان کے گھروں میں کیا ہی خوب خیر ہے، یہ انصار کے بہترین گھر ہیں۔ (طبقات ابن سعد، ۸/۳۱۹)

حضرت اسماء ان خواتین میں تھیں جو اس میدان میں سب سے آگے تھیں، آپ طبعی طور پر سخی خاتون تھیں، اللہ تعالیٰ نے ان کے کھانے میں برکت عطا فرمائی تھی جو یہ نبی کریم ﷺ کے لئے لاتی تھیں۔

فرماتی ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو اپنی مسجد میں نماز ادا کرتے دیکھا تو میں کچھ گوشت اور روٹیاں لے کر حاضر ہوئی اور عرض کیا میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں کھانا تناول فرمایئے، حضور ﷺ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا اللہ کا نام لے کر کھاؤ تو آپ ﷺ نے اور آپ کے صحابہ نے جو اہل محلہ کے حاضر تھے، سب نے کھانا تناول فرمایا، قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، میں نے دیکھا کہ گوشت اور روٹیاں ویسے ہی رکھی ہیں اور کھانے والوں کی تعداد چالیس کے قریب تھی، پھر آپ ﷺ نے میرے مشکیزے سے پانی پیا اور پھر وہاں سے تشریف لے گئے، میں نے مشکیزہ لیا، اسے تیل لگا کر لپیٹ کر رکھ دیا، پھر ہم اس مشکیزے سے مریضوں کو پلاتے اور خاص خاص موقعوں پر برکت کے لئے اس میں پانی ڈال کر پیتے تھے۔ (رحمۃ للعالمین، ج ۲، ص ۲۱۱)

محدثہ، فقیہہ، راویہ

حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا حدیث نبوی کی حافظہ تھیں۔ آستانۂ نبوت میں عرصہ دراز تک رہنے کا موقع میسر آیا حدیث رسول ﷺ کے جو الفاظ کان میں پڑتے انہیں زبانی یاد کر لیتیں۔ مزید برآں علم کے ساتھ انہیں بہت زیادہ شغف تھا۔ اور دینی مسائل دریافت کرنے کے لیے سوالات بہت زیادہ کیا کرتی تھیں۔ خاص طور پر نبی کریم ﷺ سے مسائل دریافت کرنے کے سلسلے میں بڑی جرأت اور حوصلے کا مظاہرہ کیا کرتی تھیں۔ یہی وجہ ہے انصاری خواتین میں انہیں سب سے زیادہ حدیث روایت کرنے کا شرف حاصل ہے، اس نے نبی کریم ﷺ سے ۸۱ احادیث روایت کیں۔

(ریاض الصالحین ۳/۲۷)

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے جلیل القدر تابعین کی جماعت نے حدیث روایت کرنے کا اعزاز حاصل کیا۔ اور ان سے سنن اربعہ، یعنی ابوداؤد، نسائی، ترمذی اور ابن ماجہ میں بھی احادیث مروی ہیں۔

امام بخاری نے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے حوالے سے ایک روایت اپنی کتاب ادب المفرد میں بیان کی ہے۔

ابن عساکر نے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے روایت کرنے کی عمدگی کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا ہے۔

> "حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے نبی کریم ﷺ سے بہت عمدہ احادیث بیان کی ہیں"۔

امام ذہبی فرماتے ہیں:

> "حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے تمام احادیث براہ راست نبی کریم ﷺ سے بیان کی ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بڑی عالمہ، فاضلہ، زاہدہ خاتون تھیں"۔

حضرت اسماءؓ کا شمار بھی ان صحابیات میں ہوتا ہے جنہوں نے آنحضور ﷺ

سے احادیث نقل فرمائی ہیں۔ آپ کا نمبر خواتین میں سب سے زیادہ نقل کرنے والیوں میں تیسرا ہے، آپ سے ۸۱ روایات منقول ہیں جو تمام سنن ابن ماجہ، سنن ابی داؤد اور ترمذی میں موجود ہیں۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے جہاد میں بھی نمایاں خدمات انجام دیں، غزوۂ احد میں جب انہیں ان کے والد، چچا اور چچازاد بھائی کی شہادت کی خبر ملی تو یہ حضور ﷺ کی خیریت معلوم کرنے نکل پڑیں اور پھر آنحضور ﷺ کو دیکھا تو فرمایا کہ آپ ﷺ کے دیدار کے بعد ہر مصیبت آسان ہوگئی۔

آپ نے غزوۂ خندق میں بھی شرکت کی جس میں آپ رضی اللہ عنہا نے کھانے کا بندوبست کیا تھا اور حضرت محمد ﷺ کا معجزہ ظاہر ہوا کہ تمام لشکر نے وہ تھوڑا سا کھانا کھالیا تھا۔

اور جنگ یرموک میں آپ نے خیمہ کی کھونٹیوں سے حضرت ام سلیم انصاریہ کے ساتھ مل کر ۹ رومیوں کو جہنم رسید کیا تھا۔

(الاصابہ ۴/۲۲۹۔ مجمع الزوائد ۹/۲۶۰۔ سیر اعلام النبلاء ۲/۲۹۷)

اس جنگ میں خواتین گھات میں بیٹھی تھیں کہ جب کوئی مسلمان گھبرا کر جنگ سے بھاگتا تو یہ اسے پتھروں سے مارتیں اور کہتیں کیا ہمیں کافروں کے لئے چھوڑ کر جا رہے ہو؟ اس حالت کو دیکھ کر مسلمان پیچھے آئے پھر موت پر بیعت کی اور اللہ کے توکل پر جنگ لڑی، بالآخر فتح مسلمانوں کو نصیب ہوئی۔

مرویات اسماء رضی اللہ عنہا

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے جو احادیث مروی ہیں۔ وہ تفسیر، اسباب نزول، احکام شمائل، مغازی، سیرت اور فضائل پر مشتمل ہیں۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سورۂ مائدہ کے نزول کے بارے میں بیان کرتی ہیں۔ کہ جب سورۂ مائدہ نازل ہوئی رسول اللہ ﷺ اپنی اونٹنی عضباء پر سوار تھے، اور میں نے اس کی نکیل پکڑی ہوئی تھی۔ جب ساری سورۂ مائدہ نازل ہوچکی اونٹنی کے اگلے

بازو شدید درد کی وجہ سے لڑکھڑا رہے تھے۔ (تفسیر ابن کثیر ۲/۱۳، البدایہ والنہایہ ۳/۲۲)

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا قمیص کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ قمیص پہننا پسند فرماتے۔ اور آپ کی قمیص کی آستین ہاتھ کے گٹے تک ہوتی تھی۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی مرویات سیرت اور فقہ کے ضمن میں بھی آئی ہیں۔

ابن ماجہ میں حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے حوالے سے یہ روایت مذکور ہے۔

"ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم توفی و درعه مرهونة عند یهودی بطعام" (سنن ابن ماجہ ۲۴۳۸، ترمذی ۱۲۱۵)

"نبی کریم ﷺ نے وفات پائی درآں حالیکہ آپ کی درع اناج کے بدلے ایک یہودی کے پاس گروی تھی"۔

ابونعیم اصفہانی اپنی کتاب الحلیہ میں رقم طراز ہیں:

"رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس نے دو دینار چھوڑے گویا اس نے دو داغ چھوڑے"۔ (الحلیہ ۲/۷۷)

اس بات کا تذکرہ بھی مفید ہوگا کہ سب سے پہلے طلاق یافتہ عورتوں کی عدت کا بیان بھی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے حق میں ہوا۔

تاریخی کتابوں میں انصار کی جود و سخا اور ایثار و قربانی کے حیرت انگیز اور دلنشین واقعات منقول ہیں۔

اسی طرح ابن عساکر نے اپنی تاریخ کی کتاب میں حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے کھانے میں حیرت انگیز برکت پڑنے کا دلچسپ واقعہ اسی کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا آپ نے ہماری مسجد میں مغرب کی نماز ادا کی میں اپنے گھر گئی شوربا جس میں گوشت کی بوٹیاں بھی تھیں اور چپاتیاں اٹھا لائی اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں کھانا تناول فرمائیں"۔

آپ نے اپنے ساتھ جابر رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

"آپ نے اور جو ساتھی آپ کے ہمراہ آئے تھے اور گھر والوں نے مل کر کھانا کھایا مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے میں نے دیکھا کہ نہ شوربے میں کوئی کمی آئی اور نہ ہی چپاتیوں میں۔ کھانے والے تقریباً چالیس آدمی تھے، پھر آپ نے میرے پاس پڑے ہوئے مشکیزے سے پانی پیا۔ میں نے وہ مشکیزہ لپیٹ کر اپنے پاس سنبھال کر رکھ لیا اس سے شفا کی غرض سے بیمار پانی پیتے اور حصول برکت کے لیے پانی نوش جان کیا جاتا"۔ (تاریخ دمشق ص ۳۹)

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے اخلاق

حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اللہ تعالیٰ نے بڑی جرأت اور بہادری عطا کی تھی۔ زہد، ورع، عبادت، ادب، شعر، زور بیان اور طاقت لسانی کے اوصاف کی بھی مالک تھیں۔ گفتگو میں بڑے سلجھاؤ اور مدعا کے اظہار میں یکتا اور منفرد شخصیت تھیں۔ نہایت نپی تلی اور مربوط گفتگو کرتیں اور اپنے مقصد اور نقطۂ نظر کی وضاحت پر بڑی اچھی طرح قادر تھیں۔

دنیا سے بے رغبتی اور اطاعت رسول ﷺ کا رشک انگیز واقعہ

حضرت اسماءؓ جس وفد کی قیادت کر رہی تھیں اس میں ان کی خالہ بھی تھیں، حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سونے کی انگوٹھیاں اور کنگن پہنے ہوئے تھیں، رسول اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا کہ کیا آپ اس زیور کی زکوٰۃ ادا کرتی ہیں؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تمہیں یہ بات پسند ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں آگ کے کنگن اور انگوٹھیاں پہنائے؟ یہ سن حضرت اسماء نے یہ سارا زیور اتار ڈالا، پھر حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ! اگر ہم عورتیں یہ زیور نہ پہنیں تو شوہروں کی نظر میں ہماری وقعت نہ رہے گی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ

چاندی کا زیور پہنو اور اس پر زعفران مل لو تا کہ اس پر سونے کی

چمک اور نکھار آ جائے۔

اسماء رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے وہ زیور پھینک دیا مجھے نہیں معلوم کہ کس نے وہاں سے اٹھایا۔ (حلیۃ الاولیاء، ج ۲ ص ۲۷)

یہ انہی خوش نصیب صحابہ رضی اللہ عنہم کا مقام تھا ہمارے زمانے کی عورتوں کے لئے فقہاء کرام نے سونے کا زیور استعمال کرنے کی اجازت دی ہے۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا ایک خاص اعزاز

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو ایک خاص اعزاز بھی حاصل ہوا تھا وہ یہ کہ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی والے دن انہیں دلہن بنایا تھا اور انہیں آنحضرت ﷺ کے حجرہ مبارک میں لے کر آئی تھیں، اس وقت سے انہیں "عائشہ کی اسماء" اور عائشہ کو سنوارنے والی اسماء کہا جاتا تھا۔

وہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے عائشہؓ کو دلہن بنایا اور اس کے بعد نبی کریم ﷺ کو ان کے پاس آنے کے لئے بلا کر لائی تو وہ آئے اور عائشہؓ کے برابر میں بیٹھ گئے، پھر دودھ کا ایک پیالہ لایا گیا، آپ ﷺ نے اس میں سے کچھ دودھ پیا اور پھر عائشہؓ کو دے دیا تو انہوں نے شرما کر سر جھکا لیا، میں نے انہیں ڈانٹا اور کہا کہ آپ ﷺ کے ہاتھ سے پیالہ لے لو، پھر انہوں نے وہ پیالہ لیا اور تھوڑا سا دودھ پیا، اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ یہ اپنی ساتھی کو دے دو۔ تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ اسے لے کر پئیں اور پھر مجھے دے دیں تو آنحضرت ﷺ نے دودھ پی کر مجھے دیا میں نے پیالے سے دودھ پیا اور اپنے گھٹنے پر رکھ کر پیالے کو ہونٹوں میں گھمایا تاکہ رسول اکرم ﷺ کے پینے کی جگہ سے برکت حاصل ہو جائے۔ پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ یہ ان (دوسری) عورتوں کو دے دو تو وہ عورتیں کہنے لگیں کہ ہمیں اشتہاء نہیں ہے، تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ بھوک اور جھوٹ جمع نہ کرو۔

سفرِ آخرت

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد حضرت اسماء رضی اللہ عنہا شام تشریف لے گئیں۔ اور وہاں معرکۂ یرموک میں شریک ہوئیں، اور حیرت انگیز جنگی کارنامہ سرانجام دیا جسے تاریخ اسلام میں ایک سنہری باب کی حیثیت حاصل ہے۔ کہ اس نے اپنے خیمے کی چوب سے دشمن کے نو افراد موت کے گھاٹ اتار دیئے۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے دمشق میں رہائش اختیار کر لی، اور علم حدیث کی خدمت کو اپنا شعار بنالیا، علامہ ابن عساکر اپنی تاریخ کی کتاب میں ابوزرعہ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں۔ کہ شام میں حضرت یعنی ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور اسماء رضی اللہ عنہا بنت یزید بن السکن نے شام میں احادیث رسولؐ بیان کرنے کی سعادت حاصل کی۔

علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ ام سلمہ اسماء رضی اللہ عنہا بنت یزید بن السکن یزید بن معاویہ کے دورِ حکومت تک زندہ رہیں۔ (یزید بن معاویہ نے ربیع الاول ۶۴ھ میں وفات پائی)

علامہ ذہبی دوسری جگہ رقمطراز ہیں کہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا دمشق میں رہائش پذیر ہوگئیں اور باب الصغیر پر واقع قبرستان میں دفن ہوئیں۔

علامہ ابن کثیر بھی اس موقف کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی شہادت ۶۹ ہجری میں ہوئی۔ انھوں نے بیعت کا اعزاز حاصل کیا اور جنگ یرموک میں نو رومیوں کو قتل کرنے کا کارنامہ سرانجام دیا۔ دمشق میں رہائش اختیار کی اور باب الصغیر میں دفن ہوئیں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے عبدالملک بن مروان کے دورِ خلافت میں وفات پائی۔ (عبدالملک بن مروان نے ۸۶ھ میں وفات پائی)

(۳۷) الربیع بنت معوذ الانصاریہ رضی اللہ عنہا

الربیع بنت معوذ بن عفراء الانصاریہ النجاریہ بنو عدی بن نجار (اسد الغابہ ۵/۴۵۱، تہذیب الاسماء واللغات ۲/۳۴۳، سیر اعلام النبلاء ۳/۱۹۸) قبیلے سے تھیں۔ انھیں صحابیہ ہونے اور نبی کریم ﷺ سے حدیث روایت کرنے کا شرف حاصل ہوا۔

یہ بڑے اعلیٰ، ارفع، عمدہ خاندان کی چشم و چراغ تھیں۔ جس دن سے اس نے اسلام قبول کیا جلد ہی آفاق میں مشہور و معروف ہو گئیں۔

اس کا باپ بیعت عقبہ اور غزوۂ بدر میں شریک ہوا۔ اور اس نے اپنے چچا سے مل کر فرعون امت ابوجہل کو قتل کیا۔ رسول اللہ ﷺ کی یہ دعا ان کے نصیب میں آئی۔ آپ نے ان کے حق میں یہ دعا فرمائی:

"رحم اللہ ابنی عفراء اشترکا فی قتل فرعون ہذہ الامۃ" (السیرۃ الحلبیہ دحلان ۱/۳۸۹)

"اللہ عفراء کے دونوں بیٹوں پر رحم کرے جنہوں نے اس امت کے فرعون کو قتل کرنے میں مشترکہ حصہ لیا"۔

ان کی دادی عفراء بنت عبید کریم الصفات صحابیہ تھیں۔ مسلم خواتین کی تاریخ میں اس کو بڑا قابل رشک مقام حاصل ہوا۔

ان کی ہمشیرہ فریعہ بنت معوذ رضی اللہ عنہا ایک ایسی جلیل القدر صحابیہ تھیں جن کی دعاؤں کو قبولیت کا شرف حاصل تھا۔

الربیع نے نبی کریم ﷺ کے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لانے سے پہلے ہی اسلام قبول کر لیا تھا۔ اس وقت یہ ابھی نو عمر تھی۔ جب آپ مدینہ منورہ میں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہا کے گھر فروکش ہوئے بنونجار کی بچیاں خوشی خوشی اشعار پڑھتے آپ کے استقبال کے لیے باہر نکلیں۔ ان کی زبان پر یہ ترانہ تھا۔

نحن جوار من بنی النجار یا حبذا محمد من جار

نبی کریم ﷺ نے بچیوں سے پوچھا کیا تم دل کی گہرائیوں سے مجھے اچھا سمجھتی ہو۔

انھوں نے کہا جی ہاں!

آپ نے فرمایا: اللہ جانتا ہے میں بھی دلی طور پر تمھیں اچھا سمجھتا ہوں۔ کون جانتا ہے؟ ہو سکتا ہے کہ یہ الربیع بھی اس دن غیر مقدس کلمات کہنے والی بچیوں میں شامل ہوں۔

ان کا مقام و مرتبہ

موسیٰ بن ہارون الجمال کہتے ہیں کہ الربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا نبی کریم ﷺ کی صحابیہ تھیں اس کا بہت بلند مرتبہ ہے۔ (الاستیعاب ۴/۳۰۲)

علامہ ذہبی کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا شادی کے دن اس کے گھر آنا اور چارپائی پر بیٹھنا اس کے لیے بڑی سعادت کی بات ہے۔

رسول اللہ ﷺ بعض اوقات اس کے ہاں تشریف لا کر کھانا کھاتے اس کا تحفہ قبول کرتے۔ اس کی عزت کرتے۔

اس حوالے سے بھی ایک دلچسپ قصہ بیان کیا جاتا ہے۔ اس معزز خاتون کے بارے میں روایت ہے۔ کہ یہ نبی کریم ﷺ کے پاس ایک لکڑی کی پلیٹ میں کھجوریں اور دوسری پلیٹ میں انگور لائی۔ نبی کریم ﷺ نے اسے زیور یا سونا پکڑایا اور فرمایا اسے پہن لو اس طرح رسول اللہ ﷺ نے حضرت الربیع کو ایسے شرف وکرم سے نوازا جس میں جود و سخا کی آمیزش تھی۔

حضرت الربیع کی کتاب زندگی کے روشن صفحات میں نبی کریم ﷺ کی اس سے ایک اور ملاقات کے حالات پڑھتے ہیں، اس ملاقات میں رسول اللہ ﷺ اس کے گھر وضو کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ میرے لیے پانی انڈیلو، الربیع رضی اللہ عنہا نبی کریم ﷺ کے وضو کے اوصاف بیان کرنے والی صحابیہ ہیں۔ ابن ماجہ نے ان کے حوالے سے یہ روایت نقل کی ہے:

"ان رسول اللہ ﷺ توضا ثلاثا ثلاثا" (سنن ابن ماجہ، ۴۱۸)

"رسول اللہ ﷺ وضو کے دوران ہر عضو تین تین مرتبہ دھوتے"۔

انسانی محبت کے باب میں نبی کریم ﷺ سب سے بڑھ کر دوسروں کے ساتھ عزت سے پیش آنے والے تھے۔ آپ شہداء اور ان کی اولاد کو بڑی شفقت سے ملتے، گاہے بگاہے انہیں دیکھنے کے لیے ان کے گھر تشریف لے جاتے، یہ معمول زندگی بھر رہا۔

غازیہ مجاہدہ خاتون

حضرت الربیع نے جہاد کے اس سفر کو جاری و ساری رکھنے کا دلی طور پر فیصلہ کیا جسے ان کے والد نے جنگ بدر میں شروع کیا تھا۔ وہ غزوات میں نبی کریم ﷺ کے ہمراہ روانہ ہوتیں تاکہ وہ اجر و ثواب حاصل کیا جائے جو اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کے لیے تیار کیا تھا۔

علامہ ابن کثیر اس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ عظیم خاتون رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ غزوات میں شریک ہو کر زخمیوں کا علاج معالجہ کرتی اور انہیں پانی پلاتی۔

مسلم شریف میں اس کے حوالے سے مروی ہے۔ فرماتی ہیں:

"ہم نبی کریم ﷺ کے ہمراہ غزوات میں شریک ہوتیں۔ مجاہدین کو پانی پلاتیں اور زخمیوں اور مقتولین کو مدینہ منورہ پہنچاتیں"۔

(رواہ مسلم، ۲۴۹۶، الطبقات ۸/۴۰۰، ۱۰۶)

جہاد کی مبارک گھڑیوں میں ان کی زندگی میں وہ مبارک لمحات بھی آئے ہیں۔ جن میں حضرت الربیع سعادت کے بلند مقام پہ دکھائی دیتی ہیں۔ جب کہ اس نے درخت کے نیچے بیعت رضوان کرنے کا اعزاز حاصل کیا، اللہ تعالیٰ نے بیعت رضوان میں حصہ لینے والوں کے دلوں میں صداقت اور ایمان کی روشنی کو جان لیا تھا اور ان پر اللہ تعالیٰ نے سکینت نازل فرمائی اور اللہ ان سے اور ان کی بیعت سے راضی ہو گیا۔ اور انہوں نے نبی کریم ﷺ کی زبان مبارک سے جہنم سے نجات کی بشارت پائی، آپ نے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا:

"لا یدخل النار احد ممن بایع تحت الشجرۃ"

(الطبقات، ۸/۲۴۷)

"جس نے درخت کے نیچے بیعت کی ان میں سے کوئی بھی جہنم میں داخل نہیں ہوگا"۔

جہاد سے روایت اور حفظ حدیث کی طرف

حضرت الربیع رضی اللہ عنہا محض ان خواتین میں سے نہیں تھی جنہوں نے صرف جہاد میں حصہ لیا۔ بلکہ یہ وہ خاتون تھی جسے علم کے ساتھ بہت محبت تھی۔

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بار بار جایا کرتی تھیں۔ اور ان سے اس نے علمی خوشہ چینی کی اور حدیث رسول اللہ ﷺ کو روایت کرنے کا اعزاز حاصل کیا۔ اس نے رسول اللہ ﷺ سے ۲۱ احادیث روایت کرنے کا اعزاز حاصل کیا۔

بخاری اور مسلم میں اس کی مرویات مذکور ہیں۔ ایک حدیث پر دونوں کا اتفاق ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت نے ان سے احادیث روایت کیں۔

صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ علیہم ان سے حدیث حاصل کرنے کے لیے آتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس کے پاس آئے اور رسول اللہ ﷺ کے وضو کے بارے میں دریافت کیا، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس کے پاس آئے اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے اس فیصلے کے بارے میں پوچھا جب اس عظیم خاتون نے اپنے شوہر سے خلع کا مطالبہ کیا تھا۔

اسی طرح کبار تابعین کی کثیر تعداد نے اس سے حدیث روایت کرنے کا اعزاز حاصل کیا، اور اس سلسلے میں خالد بن ذکوان، سلیمان بن یسار، ابوعبیدہ بن عمار بن یاسر اور دیگر راویوں نے روایت کرنے کا شرف حاصل کیا۔

اس کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کی توصیف

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی کریم ﷺ کے شمائل، اوصاف اور خلق عظیم کو بیان کرنے میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے میں کوشاں رہتے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے بارے میں فرماتے ہیں۔ کہ رسول اللہ ﷺ کا

چہرہ چاند کی مانند گول تھا۔ جب نبی کریم ﷺ کو دیکھتے تو پکار اٹھتے ۔

امین مصطفی بالخیر یدعو   کضوء البدر زایلہ الظلام

حضرت محمد مصطفی ﷺ چودھویں کے چاند کی مانند خیر و بھلائی کی طرف دعوت دیتے ہیں لیکن چاند کی روشنی کو تو تاریکی زائل کر دیا کرتی ہے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جب بھی نبی کریم ﷺ کو دیکھتے تو یہ شعر پڑھتے ۔

لَوْ كُنْتَ مِنْ شَيْءٍ سِوَى بَشَرٍ   كُنْتَ الْمُنَوِّرَ لَيْلَةَ الْبَدْرِ

اگر آپ انسان کے علاوہ کچھ اور ہوتے ۔ تو چودھویں رات کو روشن کرنے والے ہوتے ۔ (السیرۃ الحلبیہ ۳/۱۹۸)

کریم الصفات صحابیہ الربیع رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کا وصف بیان کرنے میں کمال کر دیا۔

ابو عبیدۃ بن محمد بن عمار بن یاسر روایت کرتے ہیں۔ کہ میں نے الربیع بنت معوذ بن عفراء رضی اللہ عنہا سے کہا، مجھے رسول اللہ ﷺ کے اوصاف بتائیں۔ تو اس نے کہا:

"يَا بُنَيَّ لَوْ رَأَيْتَهُ لَرَأَيْتَ الشَّمْسَ طَالِعَةً" (اسد الغابہ ۵/۴۵۲)

"میرے بیٹے! اگر آپ انہیں دیکھیں تو تجھے ایسا دکھائی دے گا۔ جیسے سورج چمک رہا ہے"۔

حضرت الربیع رضی اللہ عنہا سے سیرت نبوی اور آغاز اسلام میں پیش آنے والے واقعات اور بعض ایسے شرعی احکام کی تفصیلات معلوم کرنے کے لیے رجوع کیا جاتا تھا جو اس نے نبی کریم ﷺ سے سن کر زبانی یاد کر لیے تھے۔

تاریخی کتابوں میں ان کی وفات کے بارے میں درج ہے کہ یہ ۴۷ ہجری کو فوت ہوگئیں۔ (البدایہ والنہایہ ۷/۳۴۳) اور اس نے خواتین کی دنیا میں بڑے روشن آثار چھوڑے جو رہتی دنیا تک روشنی پھیلاتے رہیں گے۔

(۴۸) اُم قیس بنت محصن رضی اللہ عنہا

ام قیس رضی اللہ عنہا ان عظیم المرتبت خواتین میں سے ہیں جو بڑی جلدی حلقہ بگوش اسلام ہو گئیں اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی بیعت کرنے میں کوئی دیر نہ لگائی۔ اس نے اپنی قوم بنو اسد کے ساتھ پہلے ہی مراحل میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ اور اس نے ان قدسی نفوس لوگوں کے شانہ بشانہ قریش کی طرف سے ڈھائے گئے مظالم کو برداشت کیا جن کے دل اللہ و رسول کی محبت سے آباد تھے۔

جب ایذا رسانی میں مشرک حد سے تجاوز کر گئے تو اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو ہجرت کی اجازت دے دی۔ نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام کو مدینہ منورہ ہجرت کر جانے کا حکم صادر کرتے ہوئے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تمہارے بھائی اور گھر بنا دیئے جہاں تم امن کے ساتھ زندگی بسر کر سکتے ہو۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سفر ہجرت پر گروہ در گروہ روانہ ہوئے۔ حضرت ام قیس بھی اپنی قوم کے ساتھ اللہ و رسول کی رضا کی خاطر سفر ہجرت پر روانہ ہوئی۔

محمد بن اسحاق نے اپنی سیرت کے موضوع پر مشتمل کتاب میں ام قیس اور اس کی قوم کی ہجرت کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

> بنو غنم بن دودان اہل اسلام کے تمام مرد و زن رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ سفر ہجرت پر روانہ ہوئے۔ انہوں نے مکہ معظمہ میں اپنے گھروں کو تالے لگا دیئے۔ ان کے مردوں میں عبداللہ بن جحش، اس کا بھائی ابو احمد عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہم تھے اور خواتین میں جحش کی بیٹیاں زینب، حمنہ اور ام حبیب کے علاوہ ام قیس بنت محصن رضی اللہ عنہا تھیں۔ (السیرۃ النبویہ ۲/۲۷۰)

حدیث روایت کرنے والی

عورتوں کا علم میں دلچسپی لینا اور حدیث کی روایت کرنا کوئی تعجب اور حیرت کی

بات نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تمام مسلمان مردوں اور عورتوں کو علم حاصل کرنے کے لیے ہی تو وحی نازل کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اپنی عبادت کے اعتبار سے علم سب سے زیادہ محبوب ہے۔ نبی کریم ﷺ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو علم حاصل کرنے کی بہت زیادہ ترغیب دیا کرتے تھے۔

ام قیس رضی اللہ عنہا حصول علم کی طرف متوجہ ہوئی۔ علم حدیث کو خوب از بر کیا، ۲۴ احادیث روایت کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ جن میں سے ۲ احادیث پر بخاری اور مسلم کا اتفاق ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت نے ان سے احادیث روایت کیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے وابصہ بن معبد، عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود، ام قیس کے غلام ابوالحسن اور حنہ بنت شجاع کے غلام نافع کی ہمشیرہ عمرۃ نے ام قیس سے احادیث روایت کیں ام قیس رضی اللہ عنہا سے ایک یہ حدیث مروی ہے:

" قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ يَقُوْلُ
عَلَيْكُمْ بِهٰذَا الْعُودِ الْهِنْدِيِّ فَاِنَّ فِيْهِ سَبْعَةَ اَشْفِيَةٍ .
امراض . يُسْعَطُ بِهِ مِنَ الْعُذْرَةِ وَيُلَدُّ مِنْ ذَاتِ الْجَنْبِ"

(التاج الجامع للاصول ۳/۲۰۳، سنن ابن ماجہ ۳۴۶۸)

"وہ کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرماتے ہیں،
عود ہندی کو استعمال کرو اس میں سات بیماریوں کے لیے شفا ہے۔
اس کے استعمال سے حلق کی تکلیف اور سل کی بیماری ختم ہو جاتی ہے"۔

حضرت ام قیس رضی اللہ عنہا نے ایسی طویل اور سعادت کی زندگی بسر کی کہ رسول اللہ ﷺ کی دعاء کی برکت سے عنایات الٰہیہ ہمیشہ سایہ فگن رہیں۔ اس نے اپنی طویل زندگی کے دوران رضائے الٰہی کے حصول کے لیے ہر ممکن کوشش کی۔

حضرت ام قیس رضی اللہ عنہا ان نامور خواتین اسلام میں سے تھیں جن کے ذکر سے تاریخ اسلام کے اوراق مزین ہیں اور ان کے اعمال کے فضائل سے تاریخ کے صفحات بھرے پڑے ہیں اور ان کا کردار دیگر خواتین کے لیے اسوۂ حسنہ اور مشعل راہ بنے۔

(۳۹) حبیبہ بنت سہل انصاریہ رضی اللہ عنہا

آپ کا نام حبیبہ بنت سہل الانصاریہ ہے۔ اس کی والدہ کا نام عمرۃ بنت مسعود بنت قیس النجاریۃ الانصاریہ ہے۔ (سو لعاجۃ ۲۲۳/۵ تھذیب التھذیب ۱۲/۳۰۸)

مدینہ منورہ میں جب اسلام کی پو پھوٹی اسی وقت حبیبہ رضی اللہ عنہا نے اسلام قبول کرنے کی سعادت حاصل کر لی تھی، اس نے رسول اللہ ﷺ کی بیعت کا شرف حاصل کیا۔ اس کی ہمشیرہ کا نام رغیبہ بنت سہل تھا۔ (الاصابہ ۲۹۵/۴)

اس نے بھی اسلام قبول کیا اور رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کرنے کی سعادت حاصل کر لی تھی۔

شادی

علامہ ابن سعد رضی اللہ عنہ نے یحییٰ بن سعید کے حوالے سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حبیبہ بنت سہل سے شادی کرنے کا ارادہ کر لیا تھا لیکن پھر آپ نے اپنا ارادہ ترک کر دیا۔ (الطبقات ۸/۳۲۵ تھذیب ۱۲/۴۱۰ والطبقات ۸/۳۳۸)

یہ واقعہ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انصار کے احساسات کا احترام کیا تھا تاکہ مہاجرین و انصار کے باہمی تعلقات میں کوئی رخنہ پیدا نہ ہو۔

حبیبہ بنت سہل کی شادی ایک جلیل القدر کریم الصفات خطیب رسول ﷺ صحابی ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوئی۔

حبیبہ رضی اللہ عنہا اور روایت حدیث

حبیبہ رضی اللہ عنہا کا نبی کریم ﷺ کے گھر آنا جانا تھا اور وہ اکثر و بیشتر ازواج مطہرات کی زیارت کرنے کی سعادت حاصل کیا کرتی تھیں۔ اس طرح اسے حدیث شریف سننے اور اسے روایت کرنے کی فضیلت حاصل ہوئی۔ اس سے اہل مدینہ نے

حدیث روایت کی۔ اور اس سے یحییٰ بن سعید انصاری نے عمرۃ بنت عبدالرحمٰن کے حوالے سے حدیث بیان کی۔ (ابن تہذیب ۳/۲۳۶ تھذیب التھذیب ۱۲/ ۴۰۸)

اس کی مرویات میں سے ایک یہ ہے جسے جلیل القدر تابعی محمد بن سیرین نے ذکر کیا فرماتے ہیں کہ مجھے حبیبہ بنت سہل رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ وہ ایک روز نبی کریم ﷺ کے گھر میں تھی، نبی کریم ﷺ تشریف لائے بیٹھے اور یہ ارشاد فرمایا:

"ما من مسلمین یموت لهم ثلاثة اطفال لم یبلغوا الحنث
الا جئ بهم یوم القیامة حتی یوقفو علی باب الجنة فیقال
لهم ادخلوا الجنة فیقولون حتی یدخل ابوانا"

ابن سیرین کہتے ہیں کہ مجھے یہ معلوم نہیں کہ آپ نے دو بچوں کے بارے میں فرمایا یا تین کے بارے میں:

" فیقال ادخلوا انتم وآباؤکم"

" انہیں کہا جائے گا تم اور تمہارے ماں باپ جنت میں داخل ہو جاؤ"۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک خاتون سے کہا سنا؟

اس نے کہا ہاں۔ (الطبقات ۸/۳۴۶، الاصابہ ۴/۲۶۲)

تاریخی واقعات سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے پورا دور خلافت دیکھا اور کچھ عرصہ بعد میں بھی زندہ رہیں۔ لیکن ان کی تاریخ وفات کے بارے میں حتمی معلومات نہ مل سکیں۔

(۴۰) اُم عطیہ الانصاریہ رضی اللہ عنہا

ام عطیہ انصاریہ رضی اللہ عنہا اپنی کنیت سے مشہور ہوئیں۔ ان کا نام نسیبہ بنت حارث الانصاریہ رضی اللہ عنہا تھا (اسد الغابہ ۵/۶۰۲، تہذیب الاسماء واللغات ۲/۳۶۴، تہذیب التہذیب ۱۲/۴۵۵) یہ نامور صحابیات رضی اللہ عنہن میں سے تھیں۔

نسیبہ لغت میں شریف الطبع اور مشہور و معروف حسب و نسب والی خاتون کو کہتے ہیں۔ جملہ صحابیات میں صرف یہی ایک خاتون ہیں جن کا نام نسیبہ اور کنیت ام عطیہ ہے۔

ام عطیہ رضی اللہ عنہا نے انصاری خواتین کے ہمراہ پہلے ہی مرحلے میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ اور انصاری خواتین کے ہمراہ نبی کریم ﷺ کی بیعت کی تھی۔

فقیہہ، حافظہ

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ ام عطیہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے چالیس احادیث روایت کرنے کا اعزاز حاصل کیا، جن میں سے چھ پر بخاری اور مسلم کا اتفاق ہے۔ ایک ایک حدیث میں دونوں منفرد ہیں۔

حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے مروی احادیث سنن اربعہ میں مذکور ہیں۔ حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے حدیث روایت کی اور اسی طرح جلیل القدر تابعین میں سے حفصہ بنت سیرین، اس کے بھائی محمد بن سیرین عبدالملک بن عمیر، علی بن اقمر شراحیل اور بعض دیگر تابعین نے حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے حدیث روایت کرنے کا اعزاز حاصل کیا۔

(سیر اعلام النبلاء ۲/۳۱۸، تہذیب التہذیب ۱۲/۴۵۵)

ام عطیۃ الوداع

ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ ام عطیہ رضی اللہ عنہا اہل بصرہ سے شمار کی جاتی تھیں۔ جلیل القدر تابعیہ حضرت حفصہ بنت سیرین بیان کرتی ہیں۔ کہ حضرت

ام عطیہ بصرہ تشریف لائیں اور وہ بنو خلف کے محل میں فروکش ہوئیں۔

حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا نے مدینہ منورہ کو چھوڑ دیا تھا اور اپنی عمر کے آخری ایام میں بصرہ میں رہائش اختیار کر لی تھی۔ اور وہاں تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ علیہم میں اسے عزت، احترام اور تکریم کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بھی ان کی بہت تکریم کیا کرتے تھے۔ (طبقات ۸/۴۵۲، الاصابہ ۴/۴۵۵)

حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا فقہ، فہم حدیث اور روایت حدیث کے حوالے سے بہت مشہور و معروف تھیں۔

مشہور تابعی محمد بن سیرین اور علماء و فقہاء ان سے مسائل دریافت کیا کرتے تھے۔ (الاصابہ ۴/۴۵۵)

حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا نے ۷۰ ہجری تک اپنی زندگی جہاد، علم، روایت حدیث، فقہ اور خیر و بھلائی کے کاموں میں بسر کی۔ (سیر اعلام النبلاء ۲/۳۱۸)